جلد 5 شمارہ 12 فروری 2004ء ذوالحجۃ 1424ھ

قد افلح من تزکی ۝ وذکر اسم ربہ فصلی ۝ (الاعلی 14-15)

بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

Registerd

CPL No. 4

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کر ... کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ، نفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو تر کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاض اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس او تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احبا کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ ا مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا ا روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

قیمت ———— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:0431-862835
Mob: 0320-5793520

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-881379

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

ارکان اسلام میں حج پانچواں رکن ہے۔ حج کا ایک تاریخی پس منظر ہے۔ جس کو سامنے رکھے بغیر حج کی عظمت اور اصل مقصود کو سمجھا نہیں جاسکتا۔ کفر وشرک کے ماحول میں گھرے ہوئے ایک بندہ مومن نے توحید خالص کا اعلان کیا اور باطل کی چھائی ہوئی ظالم طاقتوں کے مقابل ایمان وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت، عشق ومحبت، جاں نثاری، ایثار وقربانی، اطاعت اور کامل سپردگی کے بے مثال جذبات واعمال سے اسلام کی مکمل تاریخ تیار کی اور توحید و اخلاص کا ایسا مرکز تیار کیا کہ رہتی دنیا تک انسانوں کو اس سے توحید کا پیغام ملتا رہے۔

اسی تاریخ کو تازہ کرنے اور انہی جذبات سے دلوں کو گرمانے کے لئے ہر سال تمام دنیا سے توحید کے پروانے اس مرکز پر جمع ہو کر وہی کچھ کرتے ہی جوان کے پیشواء ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ دو کپڑوں میں ملبوس کبھی بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں کبھی صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتے نظر آتے ہیں، کبھی عرفات میں کھڑے اپنے رب سے مناجات کرتے ہیں۔ کبھی قربان گاہ میں جانوروں کو ذبح کر کے اپنے رب سے عہد محبت استوار کرتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، صبح وشام ایک ہی صدا سے حرم کی فضا گونجتی ہے۔

"اے اللہ تیرے دربار میں تیرے غلام حاضر ہیں۔ تعریف وحمد تیرا ہی حق ہے، احسان کرنا تیرا ہی کام ہے، تیرے اقتدار میں کوئی دوسرا شریک نہیں"

دراصل انہی کیفیات کو پیدا کرنے اور خود کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کرنے کا نام حج ہے۔ حج کے لغوی معنی ہیں زیارت کا ارادہ کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں حج سے مراد وہ جامع عبادت ہے جس میں مسلمان بیت اللہ پہنچ کر کچھ مخصوص اعمال اور عبادات کرتا ہے کیونکہ حج میں مسلمان بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کرتا ہے اس لئے اس کو حج کہتے ہیں۔

اسلامی عبادات دو طرح کی ہیں۔ ایک بدنی عبادات جیسے نماز، روزہ اور ایک مالی عبادات جیسے صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ۔ حج ایک ایسی جامع عبادت ہے جو کہ مالی بھی ہے اور بدنی بھی۔ دوسری عبادات سے خلوص وتقویٰ، عجز واحتیاج، بندگی اور اطاعت، قربانی اور ایثار،

فدائیت اور سپردگی، انابت اور عبدیت کے جو جذبات الگ الگ نشو ونما پاتے ہیں حج کی جامعیت یہ ہے کہ اس میں بیک وقت یہ سارے جذبات اور کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور پروان چڑھتی ہیں۔

نماز جس کو دین کا ستون کہا گیا ہے اس کی اقامت کے لئے روئے زمین پر جو سب سے پہلی مسجد تعمیر ہوئی، حج کے دوران مومن اس کے گرد والہانہ طواف کرتا ہے۔ ساری زندگی جس گھر کی طرف منہ کر کے مومن نماز ادا کرتا رہتا ہے حج کے دوران اسی مسجد میں نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

روزہ جو نفس و اخلاق کے تزکیہ کا موثر ذریعہ ہے۔ اور جس میں مومن مرغوبات نفس سے دور رہ کر صبر و ثبات کی قوتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور خدا کی راہ کا سپاہی اور مجاہد بننے کی مشق کرتا ہے۔ حج میں احرام باندھنے کے وقت سے لے کر احرام کھولنے کے وقت تک اسی مجاہدے میں شب و روز بسر کرتا ہے۔ اور قلب و روح سے ایک ایک نقش کھرچ کر صرف خدا کی محبت کا نقش بناتا ہے اور شب و روز توحید کی آواز لگا کر صرف توحید کا علمبردار بنتا ہے۔

صدقہ اور زکوٰۃ میں اپنا من پسند مال دیکر بندہ مومن اپنے دل سے زر پرستی کے رکیک جذبات دھوتا اور اللہ کی محبت کے بیج بوتا ہے، دوران حج بھی مومن عمر بھر کا جمع کیا ہوا مال اللہ کے راستے میں دل کھول کر خرچ کرتا ہے اور اس کی راہ میں قربانی کر کے اس سے عہد وفا استوار کرتا ہے۔ غرض یہ کہ حج کے ذریعے خدا سے والہانہ تعلق، نفس و اخلاق کا تزکیہ اور روحانی ارتقاء کے سارے مقاصد بیک وقت حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ حج واقعی حج ہو محض ارکان حج ادا کرنے کا عمل نہ ہو۔

والسلام

وحید احمد

معاملات اور اخلاق و آداب

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

دعوتیں

میل ملاقات کی سلسلہ میں دعوتوں کا ذکر بھی ضروری ہے دعوتوں میں سادگی سے کام لینا چاہیے۔ شریف مہمان یہ نہیں دیکھتے کہ میزبان کیا کھلاتا ہے وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کس خلوص سے کھلاتا ہے۔ دعوتوں میں وقت سے صرف دس پانچ منٹ پہلے ہی جانا اور کھانے کے بعد جلد ہی واپس آ جانا چاہیے۔ بہت پہلے سے جا بیٹھنا اور بعد میں بہت دیر تک بیٹھے رہنا برا ہے اس سے میزبان کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ گو وہ زبان سے کچھ نہ کہے۔ دعوتوں میں پرانے احباب سے ملنے اور نئے دوست پیدا کرنے کا بڑا اچھا موقعہ ملتا ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

کھانے کے آداب

کھانا ہمیشہ صاف ستھری جگہ پر کھانا چاہیے۔ بہتر ہے کہ کھانا تم سے کسی قدر اونچی جگہ پر ہو۔ نیچے فرش پر بیٹھ کر کھاؤ یا میز کرسی پر صفائی کا خیال ہر حالت میں ضروری ہے۔ دستر خوان ہمیشہ صاف اور اجلا ہونا چاہیے۔ کھانا الگ الگ رکابیوں میں نکالنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہر قسم کا کھانا بڑی بڑی قابوں اور ڈونگوں میں بھر کر دستر خوان پر رکھ دیا جائے ہر شخص کے سامنے خالی رکابیاں طشتریاں اور پیالے وغیرہ ہوں جن میں وہ بڑے چمچوں سے ضرورت کے مطابق نکال کر کھائے۔ کھانا ہاتھ سے کھاؤ یا چمچوں سے یہ اپنی اپنی مرضی ہے کھاتے وقت زانو پر رومال وغیرہ ڈال لینا چاہیے تاکہ کپڑے خراب نہ ہوں۔

کھانے سے پہلے ہاتھ ضرور دھولو۔ اور کلی بھی کر لو تاکہ منہ صاف ہو جائے اور کھانے کا پورا مزہ آئے۔ خوب کھل کر بیٹھو۔ شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھو کھانا آہستہ آہستہ خوب چبا کر کھاؤ۔ جلدی جلدی ہر گز نہ کھاؤ، اگر کھانے کا پورا مزہ لینا ہو تو چباتے وقت ذائقہ کا خیال کرو۔ اگر تم باتیں کرتے یا بے خیالی میں کھاتے رہو گے تو کھانے کا ذائقہ پوری طرح ہر گز محسوس نہ ہوگا۔ لقمہ اس طرح چباؤ کہ چپڑ چپڑ کی آواز نہ نکلے۔ یہ بہت بدتمیزی کی بات ہے لقمہ بہت بڑا نہ ہو، کھاتے میں منہ اس قدر نہ کھلنے پائے کہ لوگوں کو منہ کے اندر کھانا نظر آئے۔ شوربہ وغیرہ میں نوالہ اس طرح تر کرو کہ سارا ہاتھ لت پت نہ ہو جائے۔ جب کھا چکو تو الحمدللہ کہو، لمبی لمبی ڈکاریں لینا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرنا بہت بری عادتیں ہیں۔ کھانے کے بعد ہاتھ خوب صاف کر کے دھوؤ۔ اور

منہ بھی صاف کرو مگر اس طرح کھکارنا کھانسنا اور حلق صاف کرنا کہ دوسرے لوگ سنیں خلاف تہذیب ہے۔ پانی وغیرہ جلدی جلدی نہیں پینا چاہیے بلکہ دو تین مرتبہ بیچ میں ٹھہرنا چاہیے۔ پینے میں اس بات کی بہت احتیاط رکھو کہ غٹ غٹ کی آواز سنائی نہ دے۔ بعض آدمی چائے اور پانی وغیرہ اس طرح پیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ان کے گلے میں کبوتر غٹرغوں غٹرغوں کررہا ہے۔ دعوت کھانے کے بعد میزبان سے اجازت لو۔ کھانے کی تعریف کرو اور شکریہ ادا کر کے رخصت ہو۔ کھانے کی برائی کرنا کہ نمک کم تھا مرچیں زیادہ تھیں۔ شوربا پتلا تھا یا چاول کھڑے رہ گئے تھے نہایت ہی ذلیل عادت ہے۔

گھروں میں کھانا کھاتے وقت بھی انہی آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔ مناسب اور باعث برکت تو یہ ہے کہ گھر پر سب لوگ اکٹھے کھانا کھائیں لیکن الگ الگ کھائیں تو بھی کوئی بری بات نہیں۔

آداب نشست و برخاست

قوموں کی تہذیب و تنظیم اور بدتہذیبی و بدنظمی کا جیسا مظاہرہ بڑی بڑی محافل و مجالس میں ہوتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا۔ اس لئے جب کسی محفل مجلس یا بڑے جلسے میں جاؤ۔ تو ان آداب پر پوری طرح عمل کرو۔ تاکہ اغیار کی نظر میں تمہاری قوم وملت کی سبکی نہ ہو۔ مجلس میں داخل ہوتے ہی جو لوگ نزدیک ہوں۔ ان کو آہستہ سے سلام کرو۔ اپنے منصب و مرتبے کے لحاظ سے مناسب جگہ پر بیٹھ جاؤ پہلے آنے والے آگے اور بعد میں آنے والے پیچھے قطار در قطار ترتیب وار بیٹھتے جائیں۔ بعد میں آنا اور بیٹھے ہوئے لوگوں کے کندھوں اور سروں پر سے کود کود کر آگے جانا انتہائی بدتہذیبی ہے۔ اگر جلسہ بڑا ہو اور جلسہ گاہ میں جانے کے راستے مقرر ہوں تو قطار بنا کر اندر جانا اور نمبروار اپنی جگہ پر بیٹھنا چاہیے۔ جلسے کے اختتام پر واپس بھی اس طرح قطار اندر قطار ہونا چاہیے۔ اس سے تمہارے قومی وقار اور تہذیب و تنظیم کا ثبوت ملتا ہے۔ جو لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح بے ترتیب بھاگتے دوڑتے اور چیختے چلاتے جلسہ گاہوں میں آجاتے ہیں۔ وہ اپنی قوم کو بدنام کرتے اور دوسرے لوگوں کو ہنسنے کا موقعہ دیتے ہیں۔ عیدگاہوں اور جامع مسجدوں میں آتے جاتے وقت بھی یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ جن لوگوں کو ان باتوں کا شعور اور احساس ہے ان پر فرض ہو جاتا ہے کہ ایسے مواقعہ پر تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر عوام کو ان طریقوں پر چلانے کا عملی بندوبست کریں۔ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو اور اس بات کی احتیاط رکھو کہ تمہاری کہنی گھٹنا، چھتری یا چھڑی پاس بیٹھے

ہوئے لوگوں کے نہ چھپے۔ ایسے موقعوں پر آپس میں کانا پھوسی کرنا دوسروں کی طرف اشارے کرنا کسی پر اعتراضات کرنا اور ہنسنا شرافت سے بہت ہی بعید ہے۔ اگر کوئی صاحب تقریر کریں یا کچھ پڑھ کر سنائیں تو غور سے سنو۔ اور اگر کوئی بات تمہاری مرضی یا تمہارے نظریات کے خلاف ہو تو صبر کرو۔ اگر کوئی اعتراض کرنا یا کسی بات کی تشریح کرانا ضروری ہی ہو تو تقریر ختم ہونے کے بعد صاحب صدر کی اجازت سے مناسب الفاظ اور شائستہ لہجے میں ٹھنڈے دل سے سوالات کرو۔ غل مچانا، لڑائی پر آمادہ ہو جانا یا آوازے کسنا شریفوں کا شیوہ نہیں۔ ایسا ہی بحث ومناظرہ کا شوق ہو تو اس کے لئے خاص مجالس منعقد کر کے دل کے ارمان نکالے جا سکتے ہیں۔ عام جلسوں میں بحث ومباحثہ باعث شر وفساد ہوتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

چلنے پھرنے کے آداب

چال سے بھی انسانی کردار کا بہت کچھ حال معلوم ہوتا ہے چال میں تصنع ہرگز نہیں ہونا چاہیے، نہ غرور وتمکنت، گردن اکڑا کر اور سینہ تان کر چلنا منع ہے۔ اللہ کی زمین پر اکڑ کر نہ چلو تم اس کو پھاڑ نہ سکو گے، نہ عاجزی اور فروتنی سے اس طرح چلو کہ کندھے ڈھیلے گردن ڈھلکی ہوئی اور منہ لٹکا ہوا ہو۔ نہ اس قدر تیز اور بدحواس ہو کر چلو گویا کوئی تمہارے تعاقب میں ہے۔ اور تم ڈر کر بھاگ رہے ہو۔ نہ اس قدر سست رو بنو کہ بیمار معلوم ہو۔ میانہ روی سب سے بہتر ہے فوجی سپاہیوں کی چال بہت اچھی ہوتی ہے۔ نہ اس میں غرور تکبر ہوتا ہے نہ سستی اور کاہلی، چلتے میں نہ تو اچکوں کی طرح تیز تیز نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے چلو، نہ نظر اس قدر نیچی ہو کہ سامنے سے آنے والوں کے ساتھ ٹکرا جاؤ۔ چلنے میں چہرے پر بشاشت اور تازگی ہونی چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ کندھے لٹکے ہوئے گردن ڈھلکی ہوئی چہرے پر ملال کے آثار آہستہ آہستہ چلا آ رہا ہے۔ آپ نے اس کو ٹوکا اور فرمایا مسلمان کو ہرگز اس طرح نہیں چلنا چاہیے۔ کہ مجسمہ حزن وملال معلوم ہو بشاش ہو کر چلا کرو۔ بازاروں اور شاہراہوں پر اس طرح نہ چلو کہ کسی اور کو دھکا لگے۔ اگر بھیڑ کی وجہ سے راستہ نہ ہو تو صبر کرو آہستہ چلو یا ٹھہر جاؤ۔ کہ راستے صاف ہو جائے دوسروں کو دھکے دے کر آگے نکلنا بڑی بدتمیزی ہے۔ یہاں تک احتیاط کرنا چاہیے کہ دھکا تو درکنار تمہارا جسم بھی کسی دوسرے کو چھونے نہ پائے۔ چلتے چلتے اس طرح رک کر ہرگز نہ کھڑے ہو کہ راستہ رک جائے۔ راستہ میں چیخنا اور غل مچانا برا ہے۔ اگر کوئی شخص آگے جا رہا ہو تو پیچھے سے چیخ کر اس کو آواز نہ دو۔ بعض آدمی چلتے چلتے راستے ہی میں کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگتے ہیں۔

یہ بہت ہی بری عادت ہے بات ہی کرنا ہو تو راستہ سے ایک طرف ہٹ کر کرو۔ جب دو آدمی اس طرح باتیں کر رہے ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر ہرگز ان کے پاس کھڑے نہ ہو۔ اور ان کی باتیں سننے کی ہرگز کوشش نہ کرو۔ بسوں میں سوار ہونے اور ریل وغیرہ کے ٹکٹ خریدنے کے لیے ہمیشہ قطار میں کھڑے ہو۔ اور نمبر آنے پر سوار ہو یا ٹکٹ خریدو۔ دوسروں کو دھکے دے کر آگے نکلنا ان کا حق مارنا ہے۔ مہذب لوگ ایسا نہیں کرتے۔ مسافروں میں عورتیں بچے اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے عورتوں اور بچوں اور پھر بوڑھوں کا حق ہے۔ ان کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچاؤ بسوں اور ریلوں میں بیٹھتے وقت بھی نمبر کا خیال رکھو۔ بیٹھ جانے کے بعد بھی اس بات کی احتیاط رکھو کہ تمہاری کہنی ہاتھ یا پاؤں سے کسی دوسرے کو تکلیف تو نہیں ہو رہی۔ بعض آدمی اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اگلی سیٹ کے تکیے پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں جو دوسروں کے چبھتا ہے۔ اور وہ شریف آدمی خاموش بیٹھا تکلیف اٹھاتا رہتا ہے منہ سے کچھ نہیں کہتا۔ وہ جانتا ہے کہ جس احمق کو بیٹھنے کی بھی تمیز نہیں اس سے اگر کچھ کہا تو لڑائی ہوگی۔ بسوں اور ریلوں میں بحث مباحثہ کرنا اچھا نہیں اس سے اکثر بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے اکثر آدمی سارے راستے لیکچر دیتے یا بزعم خود وعظ فرماتے رہتے ہیں۔ تالو سے زبان ہی نہیں لگتی۔ یہ لوگ اپنی لیاقت جتاتے ہیں مگر اتنا نہیں سمجھتے کہ بہت سے ہم سفروں کو ان کی آواز بری لگ رہی ہے یا کسی کی نیند میں خلل آ رہا ہے یہ سب جہالت کی باتیں ہیں مناسب طور پر بولنے اور ایسی باتیں کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جن سے دوسروں کا دل خوش ہو اور راستہ لطف سے کٹے۔ ریلوں کے اندر اور اسٹیشنوں پر اگر کوئی ہم سفر کھانے پینے کی کوئی چیز دے تو فوراً نہ کھا لو بلکہ خوب احتیاط سے جانچ کر لو کہ دینے والا شریف آدمی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اکثر بدمعاش کھانے میں زہر یا بے ہوشی کی دوائیں ملا کر لوٹ لیتے ہیں۔ ہر شریف انسان کا فرض ہے کہ زنانہ درجہ برابر میں ہو تو رات کے وقت اس کا خیال رکھے کیونکہ اکثر چور ڈاکو زنانہ درجہ میں گھس کر عورتوں کو لوٹ لیتے ہیں۔

خرید و فروخت

سودا خریدنا بھی ایک فن ہے جو لوگ اس فن کو جانتے ہیں ان کے گھر میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ اپنے گھر کا سودا خود خریدنا کوئی عیب نہیں ہے۔ تمام صحابہ کبار بلکہ سرور عالمؐ اپنے گھر کا سودا خود خریدتے تھے۔ سودا خریدتے رہنے سے بری بھلی چیز کی پہچان ہو جاتی ہے اور بری چیز گھر میں نہیں آنے پاتی۔ سودا کئی دکانوں پر دیکھ کر اور ہر جگہ سے قیمت پوچھ لینے کے بعد خریدنا چاہیے۔

تجربہ کے بعد کسی ایک دوکاندار پر اعتبار ہو جائے تو مستقلاً اسی سے خریدتے رہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ بلکہ یہ کچھ اچھا ہی ہے نوکر بہت ہی بے پرواہی سے سودا خریدتے ہیں اور اکثر بددیانتی بھی کرتے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو کوئی چیز قرض نہ لی جائے۔ اس میں دام بھی زیادہ جاتے ہیں چیز بھی اچھی اور پوری نہیں ملتی۔ جب کسی دوکان پر جاؤ تو جو خریدار پہلے سے کھڑے ہوں ان کی حق تلفی نہ کرو۔ پہلے انہیں خریدنے دو۔ بھیڑ زیادہ ہو تو قطار بناؤ۔ دوکاندار کے ساتھ سختی سے پیش نہ آؤ۔ سودا نہ بنے تو آہستہ سے چل دو۔ اور کوئی اور دوکان دیکھو۔

دوکان دار کو چاہیے کہ گاہکوں کے ساتھ انتہائی خوش اخلاقی اور عزت سے پیش آئے۔ اور خوب سمجھ لے کہ اللہ نے انہی کو اس کی روزی کا وسیلہ بنایا ہے اگر وہ دو باتیں سخت بھی کہہ دیں تو نرمی سے جواب دے۔ مسلمان دوکاندار اپنی بداخلاقی کی وجہ سے بہت ہی بدنام ہیں۔ یہ قوم کے دامن پر بھی کلنک کا دھبہ ہے اگر کوئی گاہک ان کی بتائی ہوئی قیمت سے کم دام لگاتا ہے تو چراغ پا ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں جاؤ جاؤ جیب میں دمڑے بھی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ایک زمانے میں دہلی کے مسلمان جوتے والے اپنی بدتمیزی کے لئے بہت مشہور تھے۔ چنانچہ ہمارا چشم دید واقعہ ہے کہ ایک نہایت معزز اور سن رسیدہ صاحب ایک دوکان پر تشریف لائے۔ دو چار جوڑے دیکھنے کے بعد ایک جوڑے کی قیمت پوچھی دوکاندار نے کہا پچاس روپیہ۔ وہ خاموش ہو گئے اور چلنے کا ارادہ کیا۔ دوکاندار نے کہا آپ بھی تو بتائیں کیا دیں گے۔ خریدار نے جواب دیا میری رائے میں تو پندرہ روپے کا ہے۔ اس پر نامعقول دوکاندار نے دوسری طرف منہ پھیر کر کہا لیجئے میں نے منہ پھیر لیا ہے آپ ویسے ہی اٹھا کر لے جایئے۔ وہ بے چارے کوئی پردیسی تھے اس قدر خفیف ہوئے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا اور چلے گئے۔ بھلا وہ یا ان کا کوئی دوست اس دوکان پر پھر کبھی کیوں آیا ہوگا۔ ایسے بدتمیز دوکاندار اپنی تجارت کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں گو محسوس نہیں ہوتا۔ دہلی کے جوتے والوں کی اس بدتمیزی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے مقابل ہندو جوتے والوں کی کئی دوکانیں کھل گئیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا کاروبار چمک گیا اور پرانے مسلمان جوتے والوں کا کام ٹھپ ہو گیا۔ مسلمان دوکانداروں کی ایسی بیہودگیاں ہر روز ہر جگہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ کہاں تک بیان کیا جائے۔

وجود باری تعالیٰ

محمد صدیق ڈار توحیدی

بہر حال عقلی دلائل بقول مولانا روم لکڑی کی بیسا کھیوں کی مانند ہیں۔ جو عقل وجود باری تعالیٰ کے حق میں دلائل دیتی ہے وہ اس کے خلاف بھی چل پڑتی ہے۔ وکیلوں والا حساب ہوتا ہے جو زیادہ ذہین وفہیم اور چرب زبان ہوتا ہے وہ جیت جاتا ہے۔ تو ایمان کے لئے اصل راہنما وجدان ہے۔ انسان کی روح اور اس کا ضمیر ہے۔ اس لئے قرآن انہی سے اپیل کرتا ہے۔ وہ انسان کو جتلاتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں تمہاری شکل وصورت میں نے بنائی، میں نے ہڈیاں پیدا کیں اور ان پر گوشت چڑھا کر تمہارا جسم بنایا۔ میں نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا اور اس سے تمہارے لئے اور مویشیوں کے لئے خوراک پیدا کی۔ سورج، چاند اور دن رات تمہارے فائدے کے لئے بنائے۔ اس طرح کی سیدھی سادی باتیں ہر انسان سمجھ سکتا ہے وہ عام انسان ہو یا کوئی عالم فاضل اور سائنسدان ہو۔ اس لئے ایمان وہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ سائنسی فارمولے نہیں بلکہ عام فہم مظاہر قدرت بیان کرتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے یہ جانور چارہ کھاتے ہیں لیکن خون اور گوبر کی غلاظتوں کے بیچ میں سے ہم ان کے جسموں سے تمہارے لئے ذائقے دار دودھ نکالتے ہیں۔ تاکہ انسان کو اللہ کی مہربانیوں کا احساس ہو اور وہ ان کا جواب ایمان اور محبت سے دے۔ کیا انسان بھینس جیسی کوئی مشین بنا سکتا ہے جس میں چارہ ڈالیں اور دودھ برآمد ہو، نہیں بنا سکتا۔ اللہ فرماتا ہے ہم نے تمہاری سواری کے لئے گدھے اور گھوڑے بنائے۔ وہ طاقتور جانور ہیں اور تمہارے قابو میں نہیں آسکتے لیکن ہم نے انہیں تمہارے لئے مسخر کر دیا اور تم ان سے کام لے رہے ہو۔ اسی لئے حکم ہوا کہ جب ان سواریوں پر اور کشتیوں اور گاڑیوں پر بیٹھا کرو تو اللہ کی نعمتوں کی قدر شناسی کرتے ہوئے یہ پڑھا کرو ''**سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا له مقرنین ۝ وانا الیٰ ربنا لمنقلبون** ۝'' پاک ہے وہ ذات جس نے یہ سواری ہمارے لئے مسخر کر دی ورنہ ہم اسے اپنے بس میں نہ کر سکتے تھے۔ اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''۔

تو یہ بالکل بجا ہے کہ ہمارے علماء کی کثیر تعداد ماڈرن علوم سے ناواقفیت کی وجہ سے تعلیم یافتہ ذہنوں کی تسلی نہیں کر سکتے۔ دراصل یہ لوگ عالم نہیں بلکہ فقیہہ ہیں جو نماز، روزے، طہارت اور زکوٰۃ کے بارے میں ہمیں تعلیم دیتے اور ہمارے مسائل حل کرتے ہیں۔ عرب لوگ ان کو عالم نہیں بلکہ فقیہہ کہتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں وہاں جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ پاکستان سے بہت بڑا عالم فیزیاء آیا ہے۔ یہ عالم ہیں کوئی فزکس کا ہے کوئی کیمسٹری کا ہے کوئی ٹیکنالوجی کا ہے۔ اگر کوئی بڑا مولوی جائے گا تو کہیں گے کہ بہت بڑا فقیہہ آیا ہے۔

اب اگر کوئی سائل کسی ماڈرن یونیورسٹی کا گریجویٹ ہے تو ایک عام مولوی صاحب جنہوں نے نماز وطہارت اور حیض ونفاس کے مسائل کے علاوہ کچھ پڑھا ہی نہ ہو تو وہ نہ تو سائل کے نقطہ نظر کو سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا معقول جواب دے سکتا ہے۔ میں نے مجلہ فلاح آدمیت میں علامہ عنایت اللہ مشرقی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا تو بڑا اشرارتی طالبعلم تھا۔ چھٹی کے روز میں بازار گیا تو دیکھا کہ میرے ایک پروفیسر ہاتھ میں بائبل تھامے کسی چرچ سے واپس آرہے ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا اور کہا کہ آپ فزکس کے اتنے بڑے سائنسدان ہوتے ہوئے بھی مذہب سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اس نے میرا نام پوچھا تو میں نے بتایا عنایت اللہ۔ اس نے کہا کہ تم کل چار بجے شام میرے گھر چائے پر آؤ۔ میں نے دوسرے دن اپنے دوستوں کو بتایا کہ مجھے پروفیسر صاحب نے اپنے ہاں آج چائے کی دعوت دی ہے۔ وہاں کا پروفیسر تو بڑی بلا ہوتی ہے بھلا وہ ایک طالبعلم کو کیوں اپنے گھر بلائے گا اس لئے دوستوں نے میری بات کا مذاق اڑایا۔ بہر حال جب میں مقررہ وقت پر تیار ہو کر جانے لگا تو تصدیق کرنے کے لئے میرے دو دوست بھی میرے ساتھ ہو لئے۔ میں پروفیسر صاحب کے گھر پہنچا اور گھنٹی بجائی تو ان کی ملازمہ نکلی۔ میں نے اپنا تعارف کروایا تو اس نے کہا اندر آجائیں پروفیسر صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں اندر چلا گیا اور میرے دوست واپس لوٹ گئے۔ پروفیسر صاحب نے چائے سے میری تواضع کی اور پوچھا کہ مسٹر عنایت اللہ تم نے کل کیا سوال کیا تھا۔ اس پر میں نے اپنا سوال دہرایا۔ پروفیسر صاحب نے میرا سوال سن کر بازو کا بٹن کھول کر آستین اوپر کی اور کہا دیکھو مسٹر عنایت

اللہ! جب سے میں فزکس کی تحقیق کے میدان میں آیا ہوں مجھ پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت اس طرح چھائی رہتی ہے کہ میرے جسم کے رونگٹے ہمہ وقت کھڑے رہتے ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ایسے ایسے نظام مشاہدہ کئے کہ حیرت اور ہیبت میں ڈوب گیا ہوں۔ پروفیسر صاحب کی یہ کیفیت دیکھ کر قرآن کریم کی اس آیت کی حقیقت مجھ پر روشن ہوگی ''انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء'' یعنی ''اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں''۔

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ ہم عالم نہیں ہیں۔ علم اتنا ہو کہ ان کی ہر دلیل کو کاٹ سکے۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ جو ماڈرن علوم پڑھتے ہیں وہ خود بھی بے دین اور دہریے ہو جاتے ہیں اور جو ہمارے دینی مدرسے ہیں ان میں جدید علوم کا داخلہ منع ہے۔ چند لوگ ہیں جو دین کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم بھی پڑھتے ہیں اور وہ بہت اچھے مبلغ ہیں۔

ایسے علماء کے دلائل سے اگر عام مسلمان آگاہ ہو تو وہ اپنے مخالفین کے ساتھ پورے بھروسہ سے بات کر سکتا ہے۔ میں نے چند کتابوں کا حوالہ دیا ہے تو آپ ایک عام یورپین کو کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو اس کتاب میں تمہارے انجینئر اور سائنسدان تو اللہ کی ہستی کا اقرار کر رہے ہیں۔ اب تمہاری مانیں یا ان دانشوروں کی۔ ان کے مقابلے میں تمہاری بات کی کوئی قدر نہیں ہے۔

ہم پھر دین کی بنیادی بات کی طرف آتے ہیں جیسا کہ حضور ﷺ کی شان ہم بیان کر رہے تھے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور تمہارا تزکیہ کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ تو ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی آیات کا علم ہونا چاہیے اسے صاحب تزکیہ ہونا چاہیے اور اسے کتاب اور حکمت کا علم بھی ہونا چاہیے۔

حضور ﷺ اسی لئے تشریف لائے تاکہ سب کو سکھا دیں۔ ہم سیکھ جائیں تو دوسروں کو بھی سکھا سکتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:-

تیری نگاہوں سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تجھ سے جذب قلندرانہ

کبھی وہ بات بھی تھی کہ تیری نگاہ اور توجہ سے دلوں کو روحانی کرنٹ کا جھٹکا لگتا تھا اور ان میں اللہ کی محبت جاگ اٹھتی تھی اور انسان کی زندگی کا رخ بدل جاتا تھا۔ اللہ سے تعلق ٹوٹ جانے کی وجہ سے اب تمہارے اندر وہ مقناطیسی کشش ہی باقی نہیں رہی۔ ہمیں چاہیے کہ یہ باطنی قوت بھی اپنے قلوب میں پیدا کریں اور تعلیم کا نظام ایسا ہونا چاہیے کہ علماء ماڈرن علوم سے واقف ہوں۔ بلکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہمارا ڈاکٹر ہو، انجینئر ہو، وکیل ہو، صنعتکار ہو یا زمیندار ہو ہر ایک کو پہلے اپنے دین سے آگاہی ہونی چاہیے۔ یہ ہر مسلمان کی بنیاد ہونی چاہیے تاکہ ہر مومن اپنے دین کے بارے میں دوسروں کو آگاہ کر سکے۔

سوال :- قبلہ ہمارے ہاں اس طرح کے عالم کیوں نہیں ہیں؟

شیخ سلسلہ :- ہمارے ہاں بھی بڑے اچھے اچھے عالم ہیں اور انہوں نے جدید ذہنوں کو قائل کرنے کے لئے بڑی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ انڈیا میں مولینا ابوالحسن ندوی صاحب تھے، شہاب الدین صاحب ہیں جن کی تصانیف میں ماڈرن علوم کے حوالہ جات ہیں۔

سوال :- ایک کتاب بائیبل قرآن اور سائنس آجکل بڑی مشہور ہے، وہ کیسی ہے؟

شیخ سلسلہ :- یہ کتاب ایک فرانسیسی ڈاکٹر مورس بکائے نے لکھی۔ اتفاق سے اسے قرآن کا ترجمہ پڑھنے کو ملا تو وہ بہت متاثر ہوا۔ کیونکہ عیسائیوں نے اسلام کے بارے میں جو گمراہ کن باتیں پھیلا رکھی ہیں قرآن اس سے مختلف تھا۔ وہ بہت حیران ہوا کہ اس میں تو زندگی کے حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ بڑے عمدہ اصول سکھائے گئے ہیں۔ سائنسی علوم کے بارے میں ایسی ایسی باتیں لکھی ہوئی ہیں جو سائنسدانوں کو حال ہی میں معلوم ہوئی ہیں۔ سورج کا حرکت کرنا، درختوں میں نر اور مادہ کا موجود ہونا وغیرہ وغیرہ۔ وہ بہت حیران ہوا اور یہ ارادہ کیا کہ اس کتاب کی حقیقت جاننے کے لئے عربی سیکھنی چاہیے۔ اب دیکھیں ان لوگوں کے شوق کا یہ حال ہے اس نے عربی سیکھی، عربی کا سکالر بنا اور پھر قدیم اور جدید جتنی بھی تفاسیر مل سکیں ان کا مطالعہ کیا اور پھر وہ کتاب لکھی "بائبل قرآن اور سائنس" اس نے فرانسیسی میں لکھی تھی پھر اس کا انگریزی میں ترجمہ ہوا تو پوری دنیا میں پھیل گئی۔ اب پاکستان میں اس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔

سوال:- سنا ہے وہ مسلمان ہو گیا تھا؟

شیخ سلسلہ:- نہیں وہ مسلمان تو نہیں ہوا تھا۔ اس نے عیسائی ہوتے ہوئے اس حقیقت کو برملا تحریر کر دیا کہ بائبل کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اس میں درجنوں غلطیاں موجود ہیں۔ اس نے یہ اصولی بات لکھی کہ جس کتاب میں غلطی ہو وہ اللہ کا کلام ہو ہی نہیں سکتی۔ اس میں تو کئی باتیں ایسی لکھی ہوئی ہیں جو سائنسی طور پر ثابت ہو چکی ہیں کہ غلط ہیں۔ اس نے لکھا کہ سائنس اس قدر ترقی کرنے کے باوجود بھی قرآن مجید کی کسی ایک بات کو بھی جھٹلا نہیں سکی۔ بلکہ ایسی ایسی حقیقتیں اس میں بیان کی گئی ہیں جن تک سائنس اب پہنچی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے۔ یہ آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ چودہ سو برس پہلے جب کہ سائنس کی یہ شاخیں موجود ہی نہیں تھیں کوئی انسان ان حقائق سے کیسے آگاہ ہو سکتا ہے۔ تو ہمیں چاہیے کہ ایسی کتابیں پڑھیں اور دوسروں کو بھی ان باتوں سے آگاہ کریں۔ یہاں لاہور کے پروفیسر صاحب نے کتاب ''ہم کیوں مسلمان ہوئے'' لکھی ہے یہ بڑی زبردست کتاب ہے۔ پروفیسر صاحب کا نام ہے ...... عبدالغنی فاروق۔

اس میں تمام غیر مسلم یورپی، امریکی اور پڑھے لکھے ہندوؤں اور سکھوں کے واقعات ہیں جنہوں نے اسلام کی صداقت کے سامنے سر جھکایا اور مسلمان ہو گئے۔ ہر کہانی ہی ایمان افروز ہے۔ ہمارے مجلّہ ''فلاح آدمیت'' میں اس کی قسطیں چھپ رہی ہیں۔ اس پروفیسر نے ایک دوسری کتاب بھی لکھی ہے۔ ان کتابوں میں محمد علی کلے، مریم جمیلہ اور لیوپڈ اسد جو آسٹریا کا رہنے والا تھا اور دیگر مشاہیر کے انٹرویو ریکارڈ کئے گئے ہیں۔ یہ سب لوگ تعلیم یافتہ عیسائی اور یہودی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بصیرت عطا فرمائی اور وہ دین رحمت میں داخل ہو گئے۔ اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ایسے لٹریچر کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم لوگوں کو بھی چاہیے کہ مطالعہ کا ذوق پیدا کریں۔ کم از کم ایسی مجالس میں جانے کا اہتمام کریں جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور ایسی کتابوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوں۔ روحانیت کے بارے میں بھی کافی تحقیق ہو رہی ہے اور اس موضوع پر بھی اچھی اچھی کتابیں دستیاب ہیں۔

خواجہؒ کے خطوط

(خالد مسعود توحیدی)

1- سب سے ذلیل آدمی

(بنام عبدالحمید صاحب 14.1.1971)

''جو حضرات سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کو سمجھ کر عمل شروع کریں ان کی کامیابی اللہ کے ذمہ ہے۔ بیعت مبارک ہو۔ اب آپ کو چاہیے کہ جس کام کو خود اپنی خوشی سے اپنے ذمہ لیا ہے اس کو پوری طرح انجام تک پہنچایئے۔ دنیا میں سب سے ذلیل آدمی وہ ہے جو کسی کام کو اپنے ذمہ لے کر انجام نہ دے یا کوئی وعدہ کر کے پورا نہ کرے۔ جس کی زبان سچی نہیں اس کا کچھ بھی سچا نہیں''

2- امین بننا چاہیے

(بنام محمد قاسم صاحب 29.9.1965)

''(توحیدیہ سوسائٹی کے پیسہ کے بارے میں لکھا) ہاں بانڈ خرید کر بینک میں رکھنے میں جلدی کرنی چاہیے کیونکہ نقد روپیہ ہاتھ سے تو اٹھ ہی جاتا ہے اور یہی امانت میں خیانت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امین تھے ہمکو بھی امین بننا چاہیے۔ اللہ میاں کا کیا پتہ۔ ہم کو دیتے دیتے کوئی اور نظر پڑ گیا اس کو دے دیں۔ ان کا اعتبار اس معاملے میں کرنا...... بس کیا لکھوں۔ خود محنت کرتے رہو، ایثار کرو اور روپیہ جمع کرو۔ وہ محنت اور ایثار کا معاوضہ ضرور دیتے ہیں''

3- حکیم مختار خود مختار

(بنام محمد قاسم صاحب 29.9.1965)

''حکیم مختار ایک خود مختار اور مختار مطلق انسان ہے۔ نہ مجھ سے مشورہ لیتا ہے نہ کچھ اطلاع دیتا ہے۔ وہ جانے اس کا کام۔ مجھ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں''

4- خطبہ کی تقسیم

(بنام محمد قاسم صاحب 21.3.1964)

''اس مرتبہ خطبہ میں ساری باتیں کام کی ہیں۔ ضرور ایک ہزار چھپوالیں۔ یہ تو پروپیگنڈے کے لئے ہوتی ہیں۔ لاہور میں تمام پروفیسروں، ماسٹروں، ہیڈ ماسٹروں کو ضرور دی جائیں اور دوسرے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی دی جائیں۔ اگر کافی نہ سمجھیں تو اور زیادہ چھپوالیں 2000 تک''

5۔ صحت اور دعائیں (متفرق دعائیں)

ا۔ ''میری صحت بہت خراب ہے اتنے بزرگ حلقہ میں ہیں کوئی دل سے دعا ہی نہیں کر[illegible] کہ صحت ہو جائے''

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 30.10.1962)

ب۔ ''اللہ نے فضل کیا اور سری نگر ہم نے فتح کر لیا تو انشاء اللہ ہم کنونشن وہیں کرینگے۔ آپ دعا کریں اور اپنی ساری ولایت کا زور اسی پر صرف کر دیں''

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 15.11.1965)

ج۔ ''آپ لوگ جو میری صحت کی دعا کرتے ہیں اس کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے''

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1965)

د۔ ''کانوں میں چوبیس گھنٹے چھن چھن کی آواز آتی رہتی ہے جس سے بعض اوقات دل بہت پریشان ہو جاتا ہے۔ آپ دل سے دعا کریں کہ اللہ یہ تکلیف جلدی رفع فرما دے۔ کیا تعجب کہ آپ کی دعا قبول ہو جائے''

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 27.1.1968)

ہ۔ ''صحت پہلے سے بہتر ہے الحمد اللہ۔ شاید کسی ''اہل دل'' نے نیم دلی سے دعا کی ہو گی ڈار صاحب یہ سب تو مذاق سے لکھا ہے۔ کبھی کبھی طبیعت میں شاعری کا پرانا رنگ آ جاتا ہے ویسے حلقہ میں الحمد اللہ اسی فیصد آدمی تو اہل دل ہی ہیں''

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1968)

و۔ ''ہفتہ عشرہ سے صحت کچھ خراب ہے۔ اس سے پیشتر دو ماہ تک تو صحت اچھی رہی۔ د[illegible] فرماتے رہا کریں اللہ تعالیٰ اچھی صحت دے''

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 9.7.1969)

ز۔ میری صحت کبھی ٹھیک رہتی ہے کبھی خراب۔ بڑھاپے میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ دعا کر[illegible] رہا کریں اللہ صحت سے رکھے''

(بنام محمد اکبر مغل صاحب 27.9.1972)

قربانی کے احکام و مسائل

(محمد یوسف اصلاحی)

قربانی کرنے والے کے لئے مسنون عمل

جو شخص بھی قربانی کا ارادہ کرے وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ جسم کے کسی حصے کے بال کاٹے اور مونڈے اور نہ ناخن کتروائے، پھر جب قربانی کا جانور ذبح کرلے تو بال اور ناخن وغیرہ بنوائے، یہ عمل مسنون ہے واجب نہیں ہے اور جو شخص قربانی کی وسعت نہ رکھتا ہو اس کے لئے بھی بہتر یہ ہے کہ وہ قربانی کے دن اپنے بال بنوائے، ناخن کٹوائے، خط بنوائے اور زیر ناف کے بال صاف کرلے۔ خدا کے نزدیک اس کا یہی عمل قربانی کا قائم مقام بن جائے گا۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"جس کو قربانی کرنا ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ اپنے بال بنوائے اور نہ ناخن کٹوائے یہاں تک کہ وہ قربانی کرلے"۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اضحیٰ کے دن (یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو) عید مناؤں، اللہ نے اس دن کو اس امت کے لئے عید کا دن قرار دیا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہؐ! یہ بتایئے کہ اگر میرے پاس ایک ہی بکری ہو جو کسی نے دودھ کے لئے مجھے دے رکھی ہو تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ ارشاد فرمایا نہیں تم اس کی قربانی نہ کرو۔ بلکہ (قربانی کے دن) اپنے بال بنوالینا، اپنے ناخن کٹوالینا، اپنی موچھیں کتروا کر درست کرالینا، اور زیر ناف کے بال صاف کرلینا، بس خدا کے نزدیک یہی تمہاری پوری قربانی ہوجائے گی"۔

قربانی کے جانور اور ان کے احکام

۱۔ قربانی کے جانور یہ ہیں۔ "اونٹ، اونٹنی، دنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا" ان جانوروں کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں۔

۲۔ دنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ کی قربانی صرف ایک آدمی کی طرف سے ہوسکتی ہے، ایک سے زائد کئی آدمی اس میں حصہ دار نہیں ہوسکتے۔

۳۔ گائے، بھینس اور اونٹ میں سات حصے ہو سکتے ہیں، سات سے زائد نہیں۔ مگر اس کے لئے دو شرطیں ہیں، پہلی یہ کہ ہر حصے دار کی نیت قربانی یا عقیقے کی ہو، محض گوشت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہر حصے دار کا حصہ ٹھیک 1/7 ہو، اس سے کم حصہ دار نہ ہو۔ ان شرطوں میں سے کوئی بھی شرط پوری نہ ہوئی تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

۴۔ گائے، بھینس، اونٹ میں سات افراد سے کم بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی دو، چار، یا کم وبیش حصے لے، مگر اس میں بھی یہ شرط ضروری ہے کہ کوئی حصے دار ساتویں حصے سے کم کا شریک نہ ہو ورنہ کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

۵۔ ایک شخص نے گائے خریدی اور ارادہ یہ ہے کہ دوسروں کو شریک کر کے قربانی کریں گے تو یہ درست ہے، اور اگر خریدتے وقت پوری گائے اپنے ہی لئے خریدی پھر بعد میں دوسروں کو شریک کرنے کا ارادہ کر لیا تو یہ بھی جائز ہے۔ البتہ بہتر یہی ہے کہ ایسی صورت میں اپنے پہلے ارادے کے مطابق پورا جانور اپنی طرف سے ہی کرے۔ لیکن دوسروں کو شریک کرنا ہی چاہے تو خوشحال آدمی کو شریک کرے، جس پر قربانی واجب ہو، اگر کسی ایسے شخص کو شریک کر لیا جس پر قربانی واجب نہیں تو یہ درست نہیں۔

۶۔ گائے، بھینس کی قربانی میں ایک یا ایک سے زائد افراد کے حصے از خود ہی تجویز کر کے قربانی کر لی اور ان افراد کی مرضی اور اجازت نہی لی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہے، جن لوگوں کے بھی حصے رکھے جائیں ان کے کہنے سے رکھے جائیں، یہ نہیں کہ از خود حصے دار تجویز کر کے قربانی تو پہلے کر لی جائے اور حصے داروں کی مرضی اور اجازت بعد میں حاصل کی جائے۔

۷۔ بکرا، بکری اور دنبہ بھیڑ جب پورے سال بھر کے ہو جائیں تو ان کی قربانی درست ہے سال بھر سے کم کے ہوں تو قربانی درست نہیں اور گائے بھینس پورے دو سال کے ہو جائیں تو ان کی قربانی درست ہے، دو سال سے کم کے ہوں تو قربانی درست نہیں اور اونٹ پورے پانچ سال کا ہو تب قربانی درست ہے، پانچ سال سے کم کا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

۸۔ جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نکلے ہی نہ ہوں، یا نکلے ہوں مگر کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہو

تو اس کی قربانی جائز ہے، البتہ جس جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ہی ٹوٹ گئے ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں۔

۹۔ اندھے، کانے جانور کی قربانی درست نہیں اور اس لنگڑے جانور کی قربانی بھی درست نہیں جو صرف تین پیروں سے چلتا ہو، چوتھا پیر زمین پر رکھا ہی نہ جاتا ہو یا رکھتا ہو لیکن اس پر زور دے کر نہ چلتا ہو صرف تین پیروں کے سہارے چلتا ہو، ہاں اگر چوتھا پیر بھی کام کر رہا ہو اور چلنے میں صرف لنگ ہو تو پھر قربانی درست ہے۔

۱۰۔ جس جانور کا کان ایک تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو، یا دم ایک تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو اس کی قربانی درست نہیں۔

۱۱۔ دبلے پتلے جانور کی قربانی تو جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ موٹا تازہ صحیح سالم اور خوبصورت جانور خدا کی راہ میں قربان کیا جائے، اور اگر جانور ایسا مریل اور دبلا کمزور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہ رہ گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

حضرت ابو سعیدؓ کا بیان ہے کہ "نبی کریم ﷺ ایک سینگوں والے موٹے تازے دنبے کی قربانی کر رہے تھے جس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی، جس کا منہ بھی سیاہ رنگ کا تھا اور جس کی ٹانگیں بھی سیاہ تھیں"۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ "قربانی کے دن نبی کریم ﷺ نے دو دنبے سینگوں والے چت کبرے اور خصی ذبح کیے"۔

۱۲۔ جس جانور کے پیدائشی طور پر کان نہیں ہیں یا ہیں تو بہت ہی چھوٹے ہیں، اس کی قربانی درست ہے۔

۱۳۔ جس جانور کی دانت بالکل ہی نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اور اگر چند دانت گرے ہوں باقی زیادہ دانت موجود ہوں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۱۴۔ خصی بکرے اور مینڈھے کی قربانی درست ہے۔ خصی ہونا عیب نہیں ہے بلکہ جانور کو فربہ کرنے کا ایک سبب ہے، خود نبی ﷺ نے خصی دنبے کی قربانی کی ہے۔

۱۵۔ ایک خوشحال آدمی نے جس پر قربانی واجب تھی ایک جانور قربانی کے لئے خریدا، خرید

لینے کے بعد اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہ رہی
ضروری ہے کہ وہ شخص دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے، ہاں اگر کسی ایسے نادار شخص کے ساتھ
واقعہ ہوا جس پر قربانی واجب نہ تھی تو اس کے لئے اسی عیب دار جانور کی قربانی کر لینا جائز ہے۔

۱۶۔ گائے اور بکری اگر حاملہ ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے، اگر بچہ زندہ برآمد ہو تو اس
بھی ذبح کر لینا چاہیے۔

قربانی کا حکم

۱۔ قربانی کرنا واجب ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ
ہیں۔

''جو شخص وسعت رکھتے ہوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے''۔

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟ آپ نے جواب
دیا، نبی کریم ﷺ نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ اس نے پھر وہی سوال دہرایا کیا قربانی
واجب ہے؟ ارشاد فرمایا تم سمجھتے ہو! نبی ﷺ اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے''۔

۲۔ قربانی قارن پر بھی واجب ہے اور متمتع پر بھی البتہ مفرد پر واجب نہیں اگر وہ اپنے طور
کرلے تو اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

۳۔ زائرین حرم کے علاوہ عام مسلمانوں پر قربانی واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں
ایک یہ کہ وہ خوشحال ہو، خوشحال سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال و اسباب ہو جو اس کی
بنیادی ضرورتوں سے زائد ہو اور اگر اس کا حساب لگایا جائے تو یہ بقدر نصاب ہو جائے، یعنی جس
شخص پر صدقہ فطر واجب ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مقیم ہو مسافر
پر قربانی واجب نہیں۔

۴۔ قربانی صرف اپنی ہی جانب سے واجب ہے، نہ بیوی کی طرف سے واجب ہے نہ
اولاد کی طرف سے۔

۵۔ کسی شخص پر قربانی شرعاً واجب نہیں تھی لیکن اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید
لیا، تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہو گئی۔

۱۔ ایک شخص پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور وہ کسی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا، اگر اس نے بکری وغیرہ خریدلی تھی تب تو اسی بکری کو زندہ خیرات کردے اور نہ خریدی ہو تو ایک بکری کی قیمت بھر رقم خیرات کردے۔

۷۔ کسی نے منت اور نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو قربانی کروں گا پھر خدا کے فضل وکرم سے وہ کام ہو گیا تو چاہے یہ شخص خوشحال ہو یا نادار بہر حال اس پر قربانی واجب ہوگی۔ اور نذر کی قربانی کا حکم یہ ہے کہ اس کا سارا گوشت غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کردیا جائے۔ قربانی کرنے والا خود بھی نہ کھائے اور نہ خوشحال لوگوں کو کھلائے۔

قربانی کے ایام اور وقت

۱۔ عیدالاضحیٰ یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر ذوالحجہ کی بارہویں تاریخ تک غروب آفتاب سے پہلے تک قربانی کے ایام ہیں ان تین ایام میں سے جب اور جس دن سہولت ہو قربانی کرنا جائز ہے لیکن قربانی کا سب سے افضل دن عیدالاضحیٰ کا دن ہے پھر گیارھویں تاریخ اور پھر بارھویں۔

۲۔ شہر اور قصبات کے باشندوں کے لئے نماز عید سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں، جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تب قربانی کریں۔ البتہ دیہات کے باشندے نماز فجر کے بعد بھی قربانی کر سکتے ہیں۔

۳۔ شہر اور قصبات کے باشندے اگر اپنی قربانی کسی دیہات میں کرا رہے ہوں تو ان کے جانوروں کی قربانی دیہات میں فجر کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور اگر وہاں سے نماز عید سے پہلے ہی گوشت آجائے، تب بھی یہ قربانی درست ہے۔

۴۔ ایام قربانی یعنی ذوالحجہ کی دس تاریخ سے بارھویں تاریخ غروب آفتاب تک، جس وقت چاہیں قربانی کر سکتے ہیں دن میں بھی اور رات مین بھی، لیکن افضل یہی ہے کہ شب میں قربانی نہ کی جائے ہو سکتا ہے کہ کوئی رگ سلیقے سے نہ کٹے یا رہ جائے اور قربانی درست نہ ہو۔

۵۔ قربانی واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں، مقیم ہونا اور خوشحال ہونا۔ اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور وہ بارھویں ذوالحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور خوشحال ہے تو اس پر

قربانی واجب ہوگئی اور اگر وہ مقیم ہے اور نادار ہے، لیکن بارھویں ذوالحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے خدا نے اسے مال و دولت سے نواز دیا تو اس پر بھی قربانی واجب ہوگئی۔

قربانی کے متفرق مسائل

۱۔ قربانی کرتے وقت نیت کا زبان سے اظہار کرنا اور دعا ضروری نہیں صرف دل کی نیت اور ارادہ قربانی صحیح ہونے کے لئے کافی ہے، البتہ زبان سے دعا پڑھنا بہتر ہے۔

۲۔ اپنی قربانی کا جانور اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے، ہاں اگر کسی وجہ سے خود نہ کر سکے تو کم از کم وہاں موجود ہی رہے، اور خواتین بھی اپنی قربانی کا جانور ذبح ہوتے وقت موجود رہیں تو بہتر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے وقت حضرت فاطمہؓ سے فرمایا:

''فاطمہؓ! اٹھو اپنی قربانی کی جانور کے پاس کھڑی ہو اس لئے کہ اس کے ہر قطرہ خون کے بدلے تمہارے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ فاطمہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! یہ ہم اہل بیت کے لئے ہی خصوصی کرم ہے یا ہمارے لئے بھی ہے اور عام مسلمانوں کے لئے بھی؟.... نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا! ہمارے لئے بھی ہے اور سارے مسلمانوں کے لئے بھی ہے''۔

۳۔ گائے، بھینس وغیرہ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہوں تو گوشت کی تقسیم اندازے سے نہ کریں بلکہ سری، پائے اور گردہ کلیجی وغیرہ سب کو شامل کر کے سات حصے بنائیں اور پھر جس کے جتنے حصے ہوں اس کو حساب سے دیں۔

۴۔ قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب میں بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی تو غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیں اور باقی اپنے اور اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کے لئے رکھ دیں لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ ایک تہائی خیرات ہی کیا جائے، ایک تہائی سے کم بھی فقیروں اور غریبوں میں بانٹ دیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔

۵۔ گائے، بھینس اور اونٹ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہیں اور وہ آپس میں گوشت کی تقسیم کرنے کے بجائے سب ایک ساتھ ہی فقراء اور مساکین کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں یا پکا کر کھلانا چاہتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

۶۔ قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے، البتہ اجرت میں دینا صحیح نہیں ہے۔

۷۔ قربانی کی کھال بھی کسی حاجت مند کو خیرات میں دی جاسکتی ہے اور اس کو فروخت کر کے رقم بھی خیرات کی جاسکتی ہے، یہ رقم ان لوگوں کو دینا چاہیے جن کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔

۸۔ قربانی کی کھال کو اپنے کام میں لانا بھی جائز ہے، مثلاً نماز پڑھنے کے لئے جانماز بنوالی جائے یا ڈول وغیرہ بنوالیا جائے۔

۹۔ قصاب کو گوشت بنانے کی مزدوری میں گوشت کھال یا رسی وغیرہ نہ دی جائے بلکہ مزدوری الگ سے دی جائے اور جانور کی رسی، کھال وغیرہ سب خیرات کر دینی چاہیے۔

۱۰۔ جس شخص پر قربانی واجب ہے اس کو تو کرنا ہی ہے جس پر واجب نہیں ہے، ان کو بھی اگر غیر معمولی زحمت نہ ہو تو ضرور قربانی کر چاہیے۔ البتہ دوسروں سے قرض لے کر قربانی کرنا مناسب نہیں۔

مردوں کی طرف سے قربانی

خدا نے جس شخص کو مال و دولت سے نوازا ہے، وہ صرف واجب قربانی پر ہی کیوں اکتفا کرے، بلکہ قربانی کا بے حد حساب اجر و انعام پانے کے لئے اپنے بزرگوں، یعنی مردہ ماں باپ، دادا، دادی اور دوسرے رشتے داروں کی طرف سے بھی قربانی کرے تو بہتر ہے، اور اپنے محسن اعظم ﷺ جن کی بدولت ہدایت و ایمان کی دولت نصیب ہوئی ہے، کی طرف سے قربانی تو مومن کی بہت بڑی سعادت ہے۔ اسی طرح ازواج مطہرات یعنی اپنی روحانی ماؤں کی طرف سے قربانی کرنا بھی انتہائی خوش نصیبی ہے۔

موسم بہار

(مولینا ابوالحسن علی ندویؒ)

حج کے مخصوص مناسک و عبادات کے ساتھ بے چون و چرا حکم بجالانے اور ہر مطالبے کے آگے سر جھکا دینے کا نام ہے۔ حاجی کبھی مکہ میں نظر آتا ہے، کبھی منیٰ میں، کبھی عرفات میں اور کبھی مزدلفہ میں، کبھی ٹھہرتا ہے، کبھی سفر کرتا ہے۔ کبھی خیمہ گاڑتا ہے، کبھی اکھاڑتا ہے۔ وہ حکم کا بندہ اور اشارہ چشم و ابرو کا پابند ہے۔ اس کا خود کوئی ارادہ ہوتا ہے نہ فیصلہ اور نہ اسے انتخاب کی آزادی ہوتی ہے۔ وہ منیٰ میں اطمینان سے سانس بھی نہیں لینے پاتا کہ اسے عرفات جانے کا حکم ملتا ہے لیکن مزدلفہ میں رکنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

عرفات پہنچ کر وہ دن بھر دعا و عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ غروب آفتاب کے بعد اس کے جسم کا تقاضا ہوتا ہے کہ ذرا ستالے مگر اس کے بجائے اسے مزدلفہ جانے کا حکم ملتا ہے۔ وہ زندگی بھر نماز کا پابند رہا تھا مگر عرفہ میں اسے اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز ترک کردے۔ اس لئے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے، نماز یا اپنی عادت کا بندہ نہیں۔ وہ یہ نماز مزدلفہ پہنچنے کے بعد عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھتا ہے۔ مزدلفہ میں اس کا خوب جی لگتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ یہاں جی بھر کر ٹھہرے لیکن اس کی اجازت نہیں ملتی اور اسے منیٰ کی طرف کوچ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

امام ملت حضرت ابراہیمؑ سے تجدید تعلق

حج کا ایک بڑا اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ ملت حنیفی کے امام اور موسس حضرت ابراہیمؑ سے تجدید تعلق ہو۔ میراث ابراہیمی کی حفاظت کی جائے اور ان کی زندگی اپنے سامنے رکھ کر اپنی زندگی کا موازنہ اور مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیا جائے اور ان کی زندگی میں جو فساد تحریف اور غلطیاں نظر آئیں۔ انہیں دور کرنے کا اہتمام ہو اور اس کے اصل سرچشمے کی طرف رجوع کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو کہ اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس ملت کے امام سے جو چیزیں ہمیں ورثے میں ملی ہیں مثلاً خصائل فطرت اور مناسک حج، ان کی ہم حفاظت کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اپنے مشاعر یعنی مقامات حج پر ٹھہرو اس لئے کہ تم اپنے باپ کی ایک وراثت ہو''۔

حج کی روح عشق و شوریدگی اور قربان ہونے کا جذبہ ہے۔ اس میں جسم و عقل کی لگام دل اور جذبات کے حوالے کر دی جاتی ہے اور پیشوائے ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہر ہر ادا کی نقل

کی جاتی ہے۔ کبھی بیت اللہ کے طواف کا شوق ہوتا ہے، کبھی حجر اسود کے بوسے کا، کبھی صفا و مروا میں ماں کی مامتا اور جوش و اضطراب کی اس طرح نقل کی جاتی ہے کہ جہاں وہ دوڑی تھیں، اس جگہ دوڑتے ہیں اور جہاں وقار و متانت کی ساتھ چلی تھیں، وہاں اسی طرح چلتے ہیں۔ پھر یوم الترویہ میں منیٰ کی طرف روانگی کا حکم ہے۔ اس کے بعد میدان عرفات اور پہاڑی کے دامن میں ٹھہر کر دعا و مناجات کی ہدایت ہے۔ رات مزدلفہ میں گزاری جاتی ہے اور اس کی بعد منیٰ واپسی ہوتی ہے اور یہ سب کچھ حضرت ابراہیمؑ اور حضور ﷺ کی تقلید و پیروی میں کیا جاتا ہے۔

لیکن اس تقلید و محبت کی سب سے واضح تصور رمی جمرات یعنی ایک خاص جگہ پہنچ کر شیطان کو پتھر مارنا ہے۔ اس کا مقصد حضرت ابراہیمؑ کے عمل کی پیروی ہے کیونکہ ابلیس اس جگہ ان کے دل میں شبہ پیدا کرنے یا انہیں کسی معصیت میں مبتلا کرنے آیا تھا۔ تب اللہ نے انہیں حکم دیا تھا کہ اسے کنکریاں ماریں تا کہ وہ دفع ہو جائے۔

ملت ابراہیمی کے فرزندوں کا مکہ مکرمہ میں یہ سالانہ اجتماع حضرت ابراہیمؑ اور ان کے روحانی فرزندوں کے باہمی ارتباط اور عقائد و مقاصد کی تجدید کا بہترین ذریعہ ہے اور اس میں اس ملت ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کی بقا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ''اللہ نے کعبے کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے''۔ (سورۃ مائدہ۔ ۹۷)

ہدایت و ارشاد اور اصلاح و جہاد کا ابدی مرکز

رسالت محمدی کے دور میں یہ گھر ہدایت و ارشاد کا ایک مستقل مرکز بن گیا جہاں مناسک حج ادا کیے جاتے ہیں اور روح اور دل کو غذا اور قوت بہم پہنچائی جاتی ہے۔ پوری امت یہاں سے دینی پیغام حاصل کرتی ہے۔ سارا عالم اسلام یہاں جمع ہو کر تسلیم و اطاعت کا خراج ادا کرتا ہے اور اللہ کی اس مضبوط رسی کے ساتھ اپنی گہری وابستگی کا ثبوت دیتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے فضلاء و علماء، بادشاہ و امراء، سیاست دان اور حکمران جوش و وارفتگی کے ساتھ اس کا طواف کرتے ہیں۔ وہ احساس و شعور کے ساتھ اس بات کا ثبوت فراہم کرتے کہ اگرچہ وہ پورے عالم اسلام میں منتشر اور اپنے مسائل اور معاملات زندگی میں منہمک ہیں۔ مختلف نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم ایک خاص نقطے پر پہنچ کر وہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی طواف و سعی، عبادت و قربانی، ایمان و عقیدہ سے عبارت ہے اور ان کے سفر کی منزلیں منیٰ اور عرفات اور حج کے مقالمت ہیں اور وہ ہر وقت اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔

تحریف وفساد سے حفاظت کا ذریعہ

حج ملت اسلامیہ کا ایک ایسا سالانہ اجتماع ہے، جس کا اس ملت کی سچائی و پاکیزگی اور اس کی اصلی وحقیقی بنیادوں کے تحفظ میں بڑا حصہ ہے۔ اس دین کو التباس وتحریف سے محفوظ رکھنے اور امت کو اس کے حقیقی سرچشمے اور جڑوں سے پیوست رکھنے اور ان سازشوں اور مغالطوں کا پردہ چاک کرنے میں، جن کا شکار گزشتہ قومیں ہو چکی ہیں۔ اس اجتماع سے جو مدد ملتی ہے وہ کسی اور ذریعے سے میسر آنا ممکن ہی نہیں۔ اس عظیم سالانہ اجتماع کی بدولت یہ عظیم اور لافانی امت آج بھی ابراہیمی ذوق ومزاج کی حامل ہے اور اس نے یہ ورثہ اپنی آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچانے کا کام جاری رکھا ہے۔

اس لحاظ سی حج ایک ایسے زندہ، طاقتور اور دھڑکتے دل کی طرح ہے جو اس امت کی رگوں میں برابر تازہ خون تقسیم کرتا رہتا ہے۔ اس کی وجہ سے علماء ومصلحین کو یہ موقع ملتا رہتا ہے کہ وہ امت کو اہل غلو کی تحریف، اہل باطل کے فریب جاہلوں کی تاویل اور ہر قسم کے خرافات اور انسانوں سے پاک صاف کرتے رہیں اور اسے اس کی اصل ابراہیمی، شریعت محمدی اور دین خالص کے معیار پر رکھ کر برابر جانچتے رہیں۔ اس کے ذریعے سے یہ امت اپنی دینی عقلی اور ثقافتی وحدت کی بخوبی حفاظت کر سکتی ہے اور اس علاقائیت اور قومیت کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتی ہے جو ابراہیمی وحدت محمدی مسلک اور اسلامی رنگ کی حریف ہے۔

بین الاقوامی ہدایت ورہنمائی کا ابدی مرکز

اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ اس امت کے نازک سے نازک دور اور تاریک سے تاریک زمانے میں بھی وہ حج کو ان بابرکت ہستیوں سے کبھی محروم نہ رکھے گا۔ جنہیں ہم علمائے حق اور اہل دعوت واصلاح کہتے ہیں اور جن کی وجہ سے حج کی فضاء روحانیت اور نورانیت سے اس قدر بھر جاتی ہے کہ سخت سے سخت دل بھی موم ہو جاتے ہیں۔ باغی ونافرمان بھی توبہ واستغفار کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ وہ آنکھیں جن سے کبھی خوف یا محبت کے دو قطرے بھی نہ ٹپکے تھے، یہاں پہنچ کر بے ساختہ اشکبار ہو جاتی ہیں۔ دل کی سرد انگیٹھیاں ایک بار پھر سلگ اٹھتی ہیں۔ رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور سکینت پورے ماحول کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور شیطان کو منہ چھپانے کی بھی جگہ نہیں ملتی۔

دور دراز سے آنے والے حاجی ایمان ومحبت، جوش وحمیت اور علم وفقہ کا جو زاد سفر حاصل کرتے ہیں وہ ان کی واپسی کے بعد بھی کام آتا ہے۔ وہ اپنے اپنے ملکوں میں لوٹ کر اپنے ان

بھائیوں کو بھی اس دولت میں شریک کرتے ہیں جو ضعف، بیماری یا کسی عذر کی وجہ سے یہاں حاضر نہیں ہو سکتے۔ اس سے جاہلوں میں علم کا شوق پیدا ہوتا ہے، افسردہ اور مایوس انسانوں میں گرمجوشی اور حوصلہ مندی ابھرتی ہے اور امت کو اپنا پیغام پہنچانے اور فریضہ دعوت ادا کرنے کی نئی طاقت حاصل ہوتی ہے۔

اسلامی اخوت اور عالمی برادری کا مظاہرہ

حج علاقائی، نسلی اور لسانی قومیتوں کے خلاف اسلامی قومیت کی جیت ہے۔ یہاں پہنچ کر تمام اسلامی قومیں اپنے قومی اور ملکی لباسوں سے آزاد ہو کر اسلام کا ایک قومی لباس اختیار کر لیتی ہیں جسے اصطلاح میں ''احرام'' کہا جاتا ہے۔ سب عاجزی و انکسار اور گریہ وزاری کے ساتھ تلبیہ پڑھتے ہیں۔ ایک زبان میں ایک ترانہ پڑھتے ہیں:

''اے میرے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے لئے ہی زیبا ہیں اور حکومت و بادشاہت بھی، تیرا کوئی شریک نہیں''۔

ان میں حاکم اور محکوم، آقا و نوکر، امیر و فقیر اور چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ ان کے لباس اور صدا دونوں میں اسلامی قومیت جلوہ گر نظر آتی ہے۔ یہی حال حج کے دوسرے مناسک اور اعمال کا ہے جن میں ہر ملک اور قوم کے لوگ دوش بدوش نظر آتے ہیں اور عرب و عجم کے سارے فرق مٹ جاتے ہیں۔ صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان سب ایک ساتھ دوڑتے ہیں، منیٰ تک اکٹھے سفر کرتے ہیں، عرفات ساتھ جاتے ہیں اور جبل رحمت پر ایک ساتھ حاضر ہو کر دعا کرتے ہیں اور سب ایک ہی جگہ رات گزارتے ہیں۔ سب ایک ساتھ واپس آتے ہیں، ایک ساتھ متحرک اور ایک ساتھ ساکن ہوتے ہیں جیسا کہ حکم ہوتا ہے۔

''ہاں، تو تم وہاں جا کر واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے مغفرت طلب کرو''۔ (سورۃ بقرہ۔۱۹۹)

منیٰ میں بھی قیام ایک ساتھ کرتے ہیں اور قربانی، حلق سر منڈانے اور رمی کے سارے کام ایک ساتھ انجام دیتے ہیں۔

جب تک حج باقی ہے اور وہ انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گا، روئے زمین کے ایک ایک دور افتادہ اور دشوار گزار گوشے سے لوگ کھنچ کھنچ کر یہاں پہنچیں گے۔ اس دن کے لئے منتیں مانیں گے اور دن گنیں گے اور اس دربار میں حاضری کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھیں گے۔

انقلاب آفریں پیغمبر

(عبدالرشید سا...

بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر رشک خضر بنا دیا
رہزنوں کو دی ندا بن گئے شمع رہبری

یوں تو زمانہ کی ہری بھری کوکھ سے مختلف ادوار نے جنم لیا۔ وقت کی پٹری پر لاتعداد گھومے لمحات کی سیج پر بے شمار لیل ونہار نے کروٹیں بدلیں اور سطح آب پر مشابہ حیات فانی محدود بلبلے ابھرے لیکن :-

مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

انسانی زندگی کا کوئی سا بھی دور ہو، حباب کی مانند ہے جو ہر دم حوادث سے دوچار رہتا ہے چراغ سحری سے مشابہ ہے جو ہوا کے دوش پہ ٹمٹما رہا ہے اس کا کوئی بھی زاویہ ایسا نہیں جو حالات کی چیرہ دستیوں اور حوادث کی انقلاب انگیزیوں سے محفوظ رہا ہو لیکن جس انقلاب نے فکر ونظر کو نئے زاویے دیئے۔ خاور ہدایت کو نیا مطلع دیا، فرسودگی کے ڈھانچے کو جدت کا سانچہ دیا وہ انقلاب اس کائنات میں صرف ایک بار آیا اور اس کی کامیابی ایک امی کی رہین منت ہے یہ وہ انقلاب ہے جس نے آج سے تقریباً پندرہ سو سال قبل ''وادی غیر ذی زرع'' میں جنم لیا جو یثرب کے گلی کوچوں میں پروان چڑھا جس کی بازگشت نے بزم عالم کو تہہ وبالا کر دیا۔ صفحات دہر پر انمٹ نقوش مرتب کر دیئے اور الواح قلب پر گہری چھاپ چھوڑی جس کی ہیبت نے ایوان کسریٰ کو لرزا دیا جس کی جلالت نے ایوان روم کو تھرا دیا جس کی شدت نے ظلم وستم کی فصیلوں کو گرا دیا اور جس کی عظمت نے فرسودیت کے مضبوط قلعوں کو جھکا دیا یہ امی ونکتہ دان عالم کا وہی انقلاب تھا جس نے ایک متعصب ہندو پنڈت ہری چند اختر کو بھی یہ لکھنے پر مجبور کر دیا:

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت تھی یتیموں کو کیا دریتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

ذہن کی سکرین پر جب کسی انقلاب کا تصور ابھرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اشہب تخیل سرکش آندھیوں کی زد میں آ جاتا ہے فکر رسا ان مناظر کی حدت سے جل اٹھتا ہے جو انقلابیوں کے پیدا کردہ ہیں۔ سینکڑوں اجڑی بستیاں، ہزاروں بے خانماں لوگ، لاکھوں متاثرہ خاندان، کروڑوں

جگر سوز چیخیں ان گنت گھوڑوں کی ٹاپیں اور لاتعداد تلواروں کی جھنکاریں گڈمڈ ہو کر ذہنی سکون کو دھندلا اور عقل کی بساط کو جھنجھلا دیتی ہیں اور روح انسانی چیخ اٹھتی ہے

وفا کے نام پر کھائے ہیں دھوکے اس قدر دل نے

تڑپ اٹھتا ہوں جب کوئی وفا کا نام لیتا ہے

ایسے میں کوئی دل کے کواڑوں پر ہولے ہولے دستک دیتا ہے اور ذہن کے بند دریچوں کے بڑی آہستگی سے کھول دیتا ہے روح کے تار جھنجھنا اٹھتے ہیں ذہن میں آسودگی بھر جاتی ہے قلب میں اطمینان کی لہریں اٹھنے لگ جاتی ہیں اور پلکیں طمانیت کے خمار سے بوجھل ہونے لگ جاتی ہیں تصوراتی آئینہ میں یہ مناظر ابھرتے ہیں کہ اجڑے لوگوں کو بسایا جا رہا ہے۔ بے بسوں کی معیشت اور بے کسوں کی معاشرت سنوارنے کی تدبیریں ہو رہی ہیں قلوب کی تطہیر اور اذہان کی تعمیر کا سامان ہو رہا ہے۔

بیواؤں کی دادرسی کی جا رہی ہے یتیموں پر شفقت کے خمخانے لنڈھائے جا رہے ہیں قیدیوں کی بیڑیاں کاٹی جا رہی ہیں قومیت کے بتوں کو پاش پاش کیا جا رہا ہے حقوق نسواں کی محافظت کے قوانین وضع کیے جا رہے ہیں۔ دامن دریدہ "الم رسیدہ" تن تپیدہ اور کمر خمیدہ لوگوں کو پناہ گاہیں مہیا کی جا رہی ہیں تعصب کی فصیلیں گرائی جا رہی ہیں تفرقہ کے قلعوں کو مسمار کیا جا رہا ہے لاقانونیت پر کاری ضرب لگائی جا رہی ہے۔

مساوات کی فضا قائم ہو رہی ہے اور مواخات کو استحکام بخشا جا رہا ہے تڑپتی دنیا کو سہارا اور ہچکولتی کشتی کو کنارا بخشا جا رہا ہے غلامی کی زنجیروں کو کاٹا اور جہالت کی ظلمتوں کو چھانٹا جا رہا ہے غریبوں کے ہاتھ میں دولت، مظلوموں کی جھولی میں انصاف، عورتوں کے آنچل میں عصمت، نسوانیت کی چادر میں عفت، بے بسوں کے کشکول میں سطوت، بے کسوں کے دامن میں حشمت اور یتیموں کی جھولی میں شفقت کے خزانے انڈیلے جا رہے ہیں۔ ذہن پر اس جنوں خیز نظارے نے سکتہ طاری کر دیا ہے عقل اس حیرت خیز نظارے کو دیکھ کر دم بخود ہے آنکھیں اس عجیب منظر کی سحر خیزیوں میں کھوئی ہوئی ہیں اور پس منظر میں غیبی اناؤنسر نغمہ سرا ہے

نظم حبیبؐ دو جہاں یوں ہے تصورات میں

جیسے ظہور مہتاب غم کی اندھیری رات میں

تاریخی آئینہ کے جائزہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عظیم ذہنی و فکری انقلاب سے قبل افق عالم پر ضلالت و گمراہی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ معمورہ عالم میں صداقت و نجابت نام کی کوئی

شے موجود نہ تھی۔ انسانی تہذیب نزاع کی ہچکیاں لے رہی تھی آدمیت کے جسد کو منوں مٹی تلے دفن کر دیا گیا تھا ظلم واستبداد اور وحشت وبربریت کا طوطی بولتا تھا۔ فحاشی وعریانی جوبن پر تھی اور غارتگری جبلت ثانیہ بن چکی تھی اہل عالم کے سامنے کوئی تعمیری یا ارتقائی لائحہ عمل نہ تھا۔ ناہمواریاں، طبقاتی حد بندیاں اور معاشرتی ناانصافیاں پورے ماحول کو اپنے آہنی پنجہ میں لئے ہوئے تھیں۔ ایسے غلط ماحول، برے معاشرے اور مخدوش حالات میں اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر دنیا کے عظیم ترین انسان رحمت للعالمین ﷺ نے اس ماحول سے اثر قبول کرنے کی بجائے ماحول کو اپنے اثر سے متاثر کیا اور یوں ایک ایسے انقلاب کی بنیاد رکھی جس کی نظیر صدیوں کا چکر پیش نہیں کر سکتا۔ جیسے بہتے دریا سے بہت سے طلاطم اٹھتے ہیں لیکن دم توڑ دیتے ہیں بڑی موجیں ابھرتی ہیں لیکن ساحل سے ٹکرا کے دم توڑ دیتی ہیں۔ ایسے ہی صفحہ دہر پر بہت سے حوادث کے نقوش اور بڑے انقلابات کے خطوط مرتسم ہیں۔ لیکن تاریخ عالم گواہ ہے کہ ان کے اثرات محض سطحی اور عارضی ثابت ہوئے اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ روئے زمین پر ہونے والے تمام تر انقلابات اپنے محدود حلقہ اور مخصوص رینج سے تجاوز نہیں کر سکے اور اہم بات یہ ہے کہ ہر انقلابی کسی بھی اقدام سے پہلے ایک ایسی ٹیم تیار کرتا ہے جن کے افکار ونظریات باہم طور پر ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ اور جنگی مشاورت کے بغیر اس کا کوئی بھی قدم جادہ منزل اور شاہراہ عمل کی طرف نہیں اٹھتا لیکن جس عظیم المرتبت انقلابی نبی مکرم ومحترم محبوب رب العالمین ﷺ کی انقلاب آفرینیاں ہمارا موضوع بحث ہیں وہ خود بھی اور اس کا پیدا کردہ انقلاب بھی کائنات میں سب سے علیحدہ، منفرد، جداگانہ اور مثالی اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ عالمی انقلاب کا یہ داعی اور بانی کوئی ٹیم لے کر میدان عمل میں نہیں آیا بلکہ یہ رب کریم کے فضل وعنایت سے تن تنہا افق ہدایت پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ زمانے بھر کی مخالفتیں اس کے پیچھے ہیں ہجوم اعدا اس کو نرغہ میں لئے ہوئے ہیں۔ چٹانیں اس کی راہ میں حائل ہیں، طوفان بلاخیز اس کی راہ میں حاجب ہے، برادری اس کی مخالف ہے۔ ماحول ومعاشرہ اس سے ناراض ہے۔ طعنہ زنی، معاشرتی مقاطعہ، لالچ، ترغیب، تحریص، تخویف اور تنذیر کے زہریلے تیر اس کے تعاقب میں ہیں۔ لیکن ایک وہ ہے کہ خوف سے بے نیاز مینارہ نور بن کر ایستادہ ہے اور بانگ دہل کہتا ہے:

آنا النبی لا کذب آنا ابن عبدالمطلب

میرے ہاتھوں پہ لا کر اگر چاند سورج بھی رکھ دو
میرے پاؤں تلے روئے زمین کا مال وزر رکھ دو

خدا کے حکم سے میں باز ہرگز رہ نہیں سکتا
یہ بت جھوٹے ہیں میں جھوٹوں کو سچا کہہ نہیں سکتا

اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم پیغمبر ﷺ زمانہ بھر کی تکالیفوں اور نفرتوں کے باوجود سچائی اور صداقت کا درس دیتا رہا۔ انسانوں کی بہتری اور بھلائی کا درس عام کرتا رہا اپنی ذات میں غم اور دکھ سہتا رہا لیکن مظلوموں کے دکھ درد کا امین بن کر انتہائی ظالم ترین معاشرہ کا مقابلہ کرتا رہا۔ آپ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف انسان کی فلاح اور سر بلندی کے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے آپکی تریسٹھ سالہ زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا کہ آپؐ نے کسی گالی دینے والے کے جواب میں گالی دی ہو یا پتھر مارنے والے کو جواب میں پتھر مارا ہو نہیں کبھی نہیں۔ ایسا کوئی بھی واقعہ تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے بلکہ آپؐ نے تو گالیاں سن کر دعائیں دیں، اذیتوں، مظالم اور تکلیفوں کے جواب میں رحمت کی دعائیں کیں۔ دنیا میں یہ ایک منفرد مثال ہے کہ آپؐ کے جانی دشمن اور انتہائی مخالفت کرنے والے اشخاص بھی اپنی امانتیں صرف اور صرف آپؐ کے پاس جمع کروایا کرتے تھے اور آپؐ کی صداقت اور امانت کے دلی طور پر قائل تھے۔ شاہ حبشیہ کے دربار میں نبی مکرم ﷺ کے مخالف جانے والی کفار کی سفارت نے بھی شاہ حبشیہ کے سامنے اقرار کیا کہ آپؐ کی ذات خرافات سے پاک اور منزہ ہے۔ اور آپؐ کی صداقت اور امانت پر کسی بھی قسم کا شک نہیں کیا جاسکتا کردار وہ ہوتا ہے جس کو جانی دشمن بھی تسلیم کریں۔ آپؐ کی ذات مبارکہ تمام کائناتوں اور جہانوں کے لئے مینارہ نور اور راہ ہدایت ہے علامہ فرماتے ہیں:-

تلوار سے دنیا کی امامت نہیں ہوتی
کردار کی خوشبو سے الٹ جاتے ہیں آفاق

مسلمانوں کے لئے دو اتھارٹیز ایسی ہیں جن کو کوئی چیلنج نہیں وہ ہے اللہ کا قرآن اور پیارے پیغمبر ﷺ کا فرمان۔ انہی فرمانوں پر عمل کی بدولت قرون اولیٰ کے مسلمان حیات نبویؐ میں ہی کامیابیوں کی بلندیوں پر فائز ہوئے اور جب سے امت مسلمہ نے اللہ کے قرآن اور نبی مکرم ﷺ کے فرمان سے انحراف شروع کیا ہے قدرت کاملہ نے اپنی رحمتیں اس قوم پر سے اٹھالی ہیں۔ ان کے ہاں بدبختی نے گھر بنالیا ہے۔ مصائب، مظالم، حادثات، آلام، رذائل اور تنگی معاش نے ان کو اپنا مسکن بنالیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ پر اللہ اس لئے فتح دیتا ہے کہ کافر اللہ اور رسول اللہؐ کے فرمان کے باغی ہوتے ہیں اور مسلمان اللہ اور رسول اللہ ﷺ

کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر اب مسلمانوں نے بھی اپنا معبود اپنی نفسانی
خواہشوں کو بنالیا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ سورۃ الجاثیہ میں فرماتے ہیں آیت نمبر **22**۔
ترجمہ! ''سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی
بنا رکھا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کے
کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے''۔
مندرجہ بالا آیت قرآنی کو بار بار پڑھو اور غور کرو کیا تمام امت مسلمہ پر یہ آیت پوری اترتی
ہے کہ نہیں فیصلہ ایمانداری اور سچائی سے کرنا۔ ساری اسلامی دنیا کی بات کو رہنے دو صرف پاکستانی
مسلم قوم کا جائزہ لے لو بلکہ ہم خود اپنے اندر سچائی سے جھانکیں تو ہمیں اسلام سے زیادہ کفر نظر
آئے گا کیونکہ ہم سے زیادہ نفسانی خواہشوں پر عمل پیرا قوم آپ کو بہت کم نظر آئے گی۔ یہ خالق
لاہوتی اور خلیفہ اللہ کہلانے والا مسلمان دس، بیس یا پچاس سو روپے پر اپنا ایمان اور ضمیر فروخت کر
دیتا ہے چند ڈالروں کے عوض اپنے بھائی بندوں کو پکڑ پکڑ کر اغیار کے ہاتھوں فروخت کر دیا جاتا
ہے۔ ہمارے لیڈر اپنی امت کے دشمن امریکہ کو عراق اور افغانستان میں اپنے بھائیوں پر مظالم
کے بدلے میں شاباش دیتے ہیں اور بھارتی درندوں جنکے منہ سے کشمیریوں کا خون ٹپک رہا ہے
انہیں غیر مشروط بات چیت کی آفر کرتے اور واجپائی کی آشیرباد کے متمنی رہتے ہیں اور سب سے
بڑی بات یہ ہے کہ اب یہ حضرات سچ بات سننا نہ پسند کرتے ہیں اور نہ برداشت کرتے ہیں بلکہ
حق بات کرنے والوں کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے۔ اور حکیم الامت جن کے دن بڑی دھوم سے
منائے جاتے ہیں ان کی نواؤں اور ہماری اداؤں میں فاصلے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ
فرماتے ہیں:۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

☆☆☆

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

غیر اللہ کو پکارنا

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

ترمذی نے حضرت انسؓ سے ایک ارشاد رسول ﷺ نقل کیا ہے:

لیسال احدکم ربہ حاجتہ کلھا حتیٰ یسال شسع نعلہ اذا انقطع

''تم میں سے ہر ایک اپنی ساری حاجتیں اللہ ہی سے مانگے حتیٰ کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ ہی سے مانگے''۔

توحید کے معنی محض عددی طور پر اللہ کو ایک مان لینا نہیں۔ عدد میں دنیا کی ہر شے ایک ہی ہے۔ زمین بھی ایک ہے، سورج بھی ایک ہے، قطب مینار بھی ایک ہے، کون سی چیز ایک نہیں؟ لیکن کسی شے کو محض ایک عدد مان لینے سے کوئی اس ایک شے کا بندہ بن جاتا ہے؟۔ توحید کا مطلب اگر صرف یہ ہوتا کہ اللہ کو ایک عدد مان لو تو سب سے بڑے موحد مشرکین مکہ ہوتے۔ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اللہ دو یا زیادہ ہیں۔ زبان عرب میں تو اللہ کا تثنیہ اور جمع بھی نہیں۔ مشرکین عرب...... جیسا کہ قرآن میں صاف صاف موجود ہے...... یہ تسلیم کرتے تھے کہ اللہ ہی پانی برساتا ہے، وہی روزی رساں ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر سوال یہ ہے کہ ان بے چاروں کو مشرک کیوں کہا گیا؟..... بات یہ ہے کہ اللہ کو ذات وصفات میں سب سے بڑا اور مالک کل مان لینے سے توحید نہیں آتی۔ توحید کے معنی یہ ہیں کہ تمام خداؤں کا کلیتہً انکار بھی کر دیا جائے اور صرف اللہ کو الہٰ تسلیم کیا جائے۔ اگر اللہ کو اکبر مان کر ساتھ ہی چھوٹے چھوٹے خداؤں کو بھی حاجت روا مان لیا جائے تو یہ توحید نہیں ہوگی۔ بلکہ اسی کا نام ہوگا ''شرک''۔ مشرکین عرب اسی لئے مشرک قرار دیئے گئے کہ خدائے اکبر کو ماننے کے باوجود بہت سے چھوٹے چھوٹے سبورڈی نیٹ Subordinate خدا بنا رکھے تھے کہ فلاں خدا اولاد دیتا ہے، فلاں خدا کے ذمے روزی رسانی کا محکمہ ہے، فلاں خدا فلاں قسم کی حاجت روائی کرتا ہے۔ اس لئے وہ براہ راست اللہ کو پکارنے کے بجائے ان مصنوعی خداؤں کو پکارتے تھے اور انہی سے دعائیں مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ **مانعبدھم الالیقربونا الی اللہ زلفی** یعنی ''ہم تو ان خداؤں کی محض اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیتے ہیں''۔ گویا یہ ایسے واسطے ہیں جن کے بغیر ہم اللہ سے اپنا براہ راست تعلق پیدا ہی نہیں کر سکتے۔

سید الموحدین جناب ابراہیم علیہ السلام نے اسی غلط روی کے خلاف اپنا موقف یہ بتایا تھا

کہ:

واعتزلکم وما تدعون من دون اللہ ....

''ہم تمہیں بھی چھوڑتے ہیں اور ہر اس غیر اللہ کو بھی جسے تم پکارتے ہو''۔

ہر پیغمبر کی یہی دعوت تھی کہ کسی غیر اللہ کو نہ پکارو اور نہ اس سے دعا مانگو۔ کسی پیغمبر نے یہ نہیں کہا کہ بتوں، ستاروں، فرشتوں، جنوں وغیرہ سے تو دعا نہ مانگو مگر اللہ کے نیک بندوں سے دعائیں مانگا کرو اور انہیں اپنے مشکل وقت میں مدد کے لئے پکارا کرو۔

آنحضرت ﷺ نے بھی وہی تعلیم دی جو تمام انبیاء کی تعلیم تھی۔ اور یہی حقیقت زیر نظر حدیث میں بھی بتائی گئی ہے۔ اور یہ عین تعلیم قرآن کے مطابق ہے۔ **یدعون من دون اللہ** کا ذکر کئی جگہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ جس بات کی ہر نمازی ہر روز بارہا تکرار کرتا ہے وہ ہے:

ایاک نعبد وایاک نستعین

''اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں''۔

عبادت اور استعانت دو لازم وملزوم چیزیں ہیں۔ جس کی عبادت ہوگی اسی سے استعانت بھی ہوگی اور جو مستعان ہوگا وہی معبود بھی ہوگا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جہاں یہ فرمایا کہ:

واعتزلکم وما تدعون من دون اللہ وادعوا ربی ''میں تمہیں بھی چھوڑتا ہوں اور ہر اس غیر اللہ کو بھی جسے تم پکارتے ہو اور میں تو اپنے رب کو پکاروں گا'' وہاں **تدعون من دون اللہ** کی تشریح اگلی آیت میں خود اللہ نے یوں فرمادی کہ:

فلما اعتزلھم وما یعبدون من دون اللہ ''جب ابراہیم نے انہیں اور اس غیر اللہ کو چھوڑ دیا جس کی وہ عبادت کرتے تھے''۔ گویا عبادت اور دعا (مدد کے لئے پکار) دونوں لازم وملزوم ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم روز اپنے کاموں کے لئے کسی نہ کسی کو مدد کے لئے بلاتے ہیں تو کیا یہ ناجائز نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو دنیا کا کام کیسے چلے؟ جوتی کا تسمہ (جس کا زیر بحث حدیث میں ذکر ہے) ٹوٹ جائے تو کسی موچی سے نہ کہیں کہ بھئی ذرا اس تسمے کو جوڑ دے بلکہ اللہ سے دعا کرنے بیٹھ جائیں؟ کسی سے یہ نہ کہیں کہ پانی پلاؤ۔ کوئی مریض تیماردار سے یہ فرمائش نہ کرے کہ مجھے دوا دے دو یا سہارا دے کر اٹھا دو؟ کسی تانگے والے سے یہ نہ کہیں ہمیں اسٹیشن تک پہنچا دو؟ آخر اس کا مطلب کیا ہوا کہ اللہ کے سوا کسی سے مدد نہ مانگو اور کسی کو نہ پکارو؟.... اس فرق

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے جو بندوں کو اور اللہ کو پکارنے کے درمیان ہے۔
مدد اور حاجت روائی کے لئے پکارنے کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جسے پکارا جائے اسے یہ سمجھا جائے کہ ہم تو اس کے محتاج ہیں اور یہ ہمارا محتاج نہیں۔ یہ انداز دعا صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس طرح کسی کو پکارنا قطعی شرک ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہم جسے پکاریں اس کے متعلق یہ بھی یقین رکھتے ہوں کہ کسی بات میں ہم اس کے محتاج ہیں اور کسی بات میں وہ ہمارا محتاج ہے۔ آج وہ ہماری مدد کرتا ہے اور کل ہم اس کی مدد کریں گے۔ یہ نہ شرک ہے اور نہ کوئی گناہ۔ بلکہ اسی طرح دنیا کا کاروبار چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ پہلی صورت کو کہتے ہیں استعانت یعنی مدد مانگنا، اعانت طلب کرنا، اور اس معنی میں اللہ اور صرف اللہ مستعان ہے۔ اور دوسری شکل ہے تعاون کی جس کا مطلب ہے ایک دوسرے کی اعانت کرنا۔ یہ کوئی شرک نہیں بلکہ ضروری ہے بشرطیکہ معصیت نہ ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

"نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور سرکشی میں تعاون نہ کرو"۔

تعاون میں ایک دوسرے سے مدد مانگتا ہے اور ایک دوسرے کی مدد کرتا بھی ہے۔ یعنی اگر زید عمر سے استعانت کرتا ہے تو عمرو بھی زید سے استعانت کرتا ہے۔ اسی کو تعاون کہتے ہیں۔ لیکن خدا سے استعانت کرنے کی یہ صورت نہیں ہوتی۔ وہاں یہ خیال بھی نہیں آسکتا کہ آج ہم خدا کے محتاج ہیں اور وہ ہماری مدد کرتا ہے اور نعوذ باللہ کل خدا ہماری مدد کا محتاج ہو کر ہم سے دعا مانگے گا۔ اور ہم اس کی مدد کریں گے۔

بالکل یہی صورت دعا کی ہے۔ اگر آج ہم کسی کو پکارتے ہیں اور کل وہ ہمیں پکارتا ہے تو یہ کوئی شرک نہیں۔ شرک وہ دعا ہے کہ غیر اللہ کو حاجت روا سمجھ کر یوں پکارا جائے کہ وہ ہماری دعا (پکار) کو سن لے گا لیکن اسے خود ہمیں پکارنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لئے غیر اللہ سے دعا کرنا اور اسے مدد کے لئے پکارنا یا اس کی عبادت کرنا سب یکساں ہیں۔

ہم محدثین اور اہل علم کے قدردان ہیں لیکن کسی بشر کی ہر بات سے اتفاق کرنا ضروری نہیں۔ بہجۃ الاسرار میں ایک غار غوثیہ (یا صلوٰۃ الاسرار) لکھی ہے جسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ملا علی قاری نے شیخ عبدالقادر جیلانی سے روایت فرمایا ہے۔ ذرا وہ بھی سن لیجئے:

"مغرب کی فرض و سنت کے بعد دو رکعت نفل پڑھیں۔ ہر رکعت میں بعد از سورۃ فاتحہ گیارہ گیارہ بار قل ھو اللہ شریف پڑھیں۔ سلام کے بعد حمد و ثنا کریں اور گیارہ بار درود و سلام عرض کر

کے یوں کہیں: "**یا رسول الله یا نبی الله اغثنی و امددنی فی قضاء حاجتی یا قاضی الحاجات**" پھر بغداد شریف کی طرف رخ کر کے گیارہ قدم چلے اور ہر قدم پر یوں کہیں: "**یاغوث الثقلین یا کریم الطرفین اغثنی وامددنی فی قضاء حاجتی یا قاضی الحاجات**" پھر حضور ﷺ کی توسل سے جناب باری میں دعا کریں"۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ نماز ان لوگوں نے کیوں اور کس نیت سے روایت کی ہے۔ ہم کچھ کہیں تو فوراً منکر صوفیہ اور منکر مورثین اور منکر فقہاء کے خطابات سے نواز دیا جائے گا۔ اس لئے ہم آپ کے ایمان وضمیر پر ہی اسے چھوڑتے ہیں۔ آپ اوپر کی تصریحات کے پیش نظر خود ہی اس کے جواز وعدم جواز کا فیصلہ کر لیجئے۔

اس سے آگے ایک اور وظیفہ بھی صوفیوں کے ہاں رائج ہے جو بڑے بڑے علماء کی بھی معمول رہا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

یا شیخ عبدلاقادر شیئاً لله

اگر توسل صحیح ہے تو خدا سے مانگنا اور بزرگوں کو وسیلہ بنانا چاہیے۔ یعنی الفاظ دعا یوں ہونے چاہئیں۔

الشیخ عبالقادر شیئا یا الله

مگر یہاں اللہ کو وسیلہ بنا کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے دعا ہو رہی ہے۔ یہ استعانت اور یہ دعا کس نوعیت کی ہے۔ تعاون ہے یا استعانت اس کا فیصلہ آپ کو خود کرنا چاہیے۔

رہا تجربہ تو یہ کوئی محکم دلیل نہیں۔ تجربہ تو ہر غیر اللہ حتیٰ کہ بتوں تک سے دعا کرنے کا موجب ہے۔ واضح حقائق کے ہوتے ہوئے حکم پہلے اور تجربہ بعد میں ہونا چاہیے۔

اگر حکم موجود ہو تو تجربے کو اس پر قربان کر دینا چاہیے۔

قرآن کی تصریحات کے مطابق مشرکین عرب کا بھی یہ حال تھا کہ جب ان کی کشتی موجوں میں گھر جاتی تھی تو اس وقت صرف اللہ کو مدد کے لئے پکارتے تھے کہ اگر تو ہمیں اس ابتلاء سے نجات دے دے تو ہم تیرے شکر گزار رہوں گے۔ یعنی یہ فطرت کی آواز ہے جو ایک مصیبت کے وقت دعا کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور ایک وقت ان پر ایسا بھی آتا ہے جب وہ صرف خدا کو پکارتے ہیں اور وہ پکے موحد بن جاتے تھے....... مگر ہم؟...... عین مصائب کے وقت بھی خدا جانے کس کس غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

تازہ تحقیق پر ہارون یحییٰ کا تبصرہ

خلیے کی صورت گری۔ ایک معجزہ

ہمارے جسم کے ہر حصے میں ایک چھوٹی مگر پیچیدہ زندگی کا راج ہے۔ جسم کے کسی بھی عضو کی گہرائیوں میں خوردبین سے جھانک کر دیکھیں تو تخلیق کے حیرت انگیز معجزے سے ہمارا سامنا ہوتا ہے۔ لاکھوں کروڑوں مختصر اشیاء مل کر ایک عضو تیار کرتی ہیں اور یہ سب ایک ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ ان ننھے منے اجسام کو خلیات کہا جاتا ہے جو زندگی کی بنیادی اکائیاں ہیں۔ انسان ہی نہیں بلکہ تمام زندہ اجسام انہی خوردبینی چیزوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

انسانی جسم میں تقریباً 100 ٹریلین خلیات موجود ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو اتنے مختصر ہوتے ہیں کہ دس لاکھ کی تعداد کے باوجود ایک سوئی کی نوک کے سرے کو بڑی مشکل سے چھپا سکتے ہیں۔ مگر یہی خلیہ وہ پیچیدہ ترین ساخت ہے جس سے انسان آگاہ ہوا ہے اور اس امر کی سائنسی حلقے بھی تصدیق کرتے ہیں۔ اس کے کئی رازوں کو دریافت کرنا باقی ہے۔ خلیہ وہ جاندار شے ہے جو نظریہ ارتقاء کا رد کرتا ہے۔ کیونکہ خلیہ ہی ان اہم شواہد میں سے ایک ہے کہ انسان اور تمام جاندار محض اتفاقات کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ انہیں ایک عظیم خالق نے صورت بخشی ہے۔

خلیے کو زندہ رکھنے کے لئے اس کے تمام بنیادی اجزاء ایک سے زیادہ اہم امور انجام دیتے ہیں۔ یوں ہر حصہ ایک دوسرے سے متاثر ہوئے بغیر اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اگر خلیہ ارتقاء کا نتیجہ ہوتا تو اس کے لاکھوں اجزاء بیک وقت ایک ہی مقام پر وقوع پزیر ہوتے اور بالکل انوکھی ترتیب سے وجود میں آتے۔ اس لئے یہ نامعقول لگتا ہے اور تخلیق کے سوا ان ساختوں کی کوئی اور وجہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ ارتقاء کا ایک ممتاز حامی، الیگزینڈر اوپیرن ارتقاء سے وابستہ ڈیڈلاک کے بارے میں کہتا ہے: ''بدقسمتی سے خلیے کا ظہور اب تک ایک معماہی ہے اور نظریہ ارتقاء کی تکمیل میں یہ ایک تاریک گوشہ ہے''۔

بین الاقوامی سائنسی ہفت روزہ ''نیچر'' کی 12 نومبر 1981ء کی اشاعت میں انگریز طبیعات داں اور ماہر فلکیات سر فریڈ ہوئیل نے اپنے ایک انٹرویو میں بھی یہی بات کہی تھی۔ وہ خود

بھی نظریہ ارتقاء کا حامی تھا مگر اس نے کہا ''محض اتفاقات سے اعلیٰ زندگی کے ظہور کا تصور ایسا ہی ہے کہ ایک طوفان کسی کباڑ خانے میں اتھل پتھل کر کے اس کے مادوں کو اس طرح جمع کر دے کہ ایک بوئنگ 747 جہاز وجود میں آ جائے''۔ اس سے ظاہر ہے کہ محض اتفاقات سے خلیے کی پیدائش ممکن ہی نہیں۔ اسے ضرور کسی خالق نے ہی تخلیق کیا ہے۔

ان سب کے باوجود ارتقاء پرستوں کا اب بھی اصرار یہی ہے کہ زمین کے ابتدائی ایام میں حیات بس یونہی وجود میں آ گئی تھی جسے ایک بہت بے قابو ماحول نے ممکن بنایا تھا۔ یہ دعویٰ سائنسی شواہد و معلومات سے مکمل طور پر اختلاف رکھتا ہے۔ ریاضی میں امکان (Probability) کے پہلو پر غور کیجئے تو پتا چلے گا کہ خلیے میں موجود صرف ایک پروٹین کے بننے کا امکان لاکھوں اتفاقات میں سے ایک میں بھی ممکن نہیں ہوتا۔

خلیے کی حیرت انگیز دنیا سے تھوڑی واقفیت کے لئے صرف اس کی جھلی (ممبرین) کی ساخت اور کارکردگی کا مطالعہ ہی کافی ہے۔ جو اندر بقیہ اجزاء کو ملفوف رکھتی ہے۔ خلیے کو ڈھانپنا اس جھلی کا اہم کام ہے۔ لیکن یہ صرف اس تک ہی محدود نہیں ہے۔ یہ جھلی پڑوسی خلیات سے رابطہ اور تعاون برقرار رکھتی ہے اور خلیے میں داخل اور خارج ہونے والی شے پر بھی نظر رکھتی ہے۔

خلیے کی جھلی بہت پتلی ہوتی ہے یعنی ایک ملی میٹر کے بھی ایک لاکھویں حصے تک باریک ہوتی ہے اور اسے صرف برقی خوردبین سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ جھلی ایک دوہری دیوار کی مانند ہوتی ہے۔ اس دیوار پر آنے اور جانے کے لئے ''دروازے'' موجود ہوتے ہیں۔ پھر یہاں ریسپٹرز خلیے کو بیرونی ماحول سے آگاہ کرتے ہیں۔ یہ دروازے اور ریسپٹرز پروٹین سے بنے ہوتے ہیں۔ خلوی دیوار سے چپکے یہ اجزاء خلیے میں آنے اور یہاں سے باہر جانے والی ہر شے پر نظر رکھتے ہیں۔

چکنائی اور پروٹین کے بے شعور سالمات سے بنی اس باریک جھلی کے آخر کون سے کارنامے ہیں جنہیں دیکھ کر ہم سر دھنتے ہیں اور اسے ''ذہین'' اور ''باشعور'' ساخت کہتے ہیں؟

خلوی دیوار کی اولین ذمہ داری خلیے میں موجود تمام اجسام کو لپیٹ کر انہیں محفوظ رکھنا ہوتا

ہے۔ تاہم یہ جھلی اس سے بھی زیادہ پیچیدہ عمل انجام دیتی ہے۔ خلیے کو زندہ رکھنے اور اس کے کام کو جاری رکھنے کے لئے یہ بیرون خلیہ اہم اجزاء کی ترسیل کا عمل بھی انجام دیتی ہے۔ کیونکہ خلیے کے باہر لاتعداد کیمیائی مرکبات پائے جاتے ہیں۔ خلوی جھلی جس شے کو بہتر سمجھتی ہے اسے پہچان کر خلیے کے اندر آنے دیتی ہے۔ یہ بڑی کفایت سے کام کرتے ہوئے صرف انہی اجزاء کو اندر داخل ہونے دیتی ہے جو خلیے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ خلیے میں نقصان دہ فاضل مادے نظر آتے ہی یہ فوراً انہیں خلیے سے باہر کا راستہ دکھاتی ہے۔

پھر دماغ یا جسم کے کسی بھی حصے سے ہارمونز کی صورت میں آنے والے پیغامات کو یہ فوراً خلیے کے مرکز تک پہنچاتی ہے۔ ان کاموں کے لئے اول تو جھلی خلیے کی تمام سرگرمیوں اور کارکردگی سے واقف ہوتی ہے، مطلوبہ اشیاء (کیمیائی مادوں یا اجزاء) کی فہرست بناتی ہے، اہم اجزاء کے ذخیرے کو قابو میں رکھتی ہے اور گویا زبردست یادداشت اور قوت فیصلہ رکھتی ہے۔

خلوی جھلی انتخاب کا بہت خیال رکھتی ہے۔ اس کی اجازت اور پڑتال کے بغیر خلیے سے باہر کی ایک بھی شے دروازے کے اندر داخل نہیں ہوسکتی اور کبھی اتفاق سے بھی ایسا واقعہ نہیں ہوتا۔ خلیے میں کوئی ایک سالمہ بھی ایسا نہیں ہے جسے ہم بے کار اور غیر ضروری کہہ سکیں۔ خلیے سے باہر جانے کے راستوں کی بھی کڑی نگرانی ہوتی ہے۔ یوں جھلی کی ڈیوٹی بہت اہم ہے۔ اس میں معمولی غلطی کی گنجائش بھی نہیں ہوتی۔ مضر یا غلط اجزاء کی خلیے میں آمد، پھر زیادہ مقدار میں اجزاء کے باہر جانے اور اندر آنے سے یا پھر مضر فاضل مادوں کے ''نکاس'' میں ذرا کوتاہی کا واحد مطلب خلیے کی موت ہوتا ہے۔

اگر ہم ارتقاء پرستوں کے دعوے کو مان لیں کہ پہلا زندہ خلیہ محض اتفاقات سے وجود میں آیا تھا۔ اس کے نتیجے میں اگر خلیے کی ان زبردست صلاحیتوں میں سے صرف ایک بھی وجود پزیر نہ ہوئی ہوتی تو وہ خلیہ اپنے وجود کے چند لمحوں بعد ہی ختم ہو گیا ہوتا۔

اب بتائیے وہ کون سا اتفاق ہے جس نے چکنائی کے بے ڈھب ٹکڑے کو عقل و شعور بخشا؟

اب دوسرا سوال پوچھتا ہوں جو بذات خود نظریہ ارتقاء کو جھٹلاتا ہے۔ کیا اوپر بیان کردہ

ذہانت بھری سرگرمیاں خلوی جھلی سے ہی تعلق رکھتی ہیں؟

یہ ذہن میں رہے کہ مذکورہ بالا اعلیٰ ترین کام میں انسان شامل نہیں ہے۔ کوئی روبوٹ اور مشین بھی یہ نہیں کر رہی ہے بلکہ صرف ایک جھلی کا ذکر ہے جو خلیے کو لپیٹ میں رکھتی ہے۔ یہ صرف چکنائی پر مشتمل ہے اور اس میں ادھر ادھر پروٹین چپکے ہوئے ہیں۔ پھر یہ بھی سوچیے کہ خلیے کی جھلی جو اتنے پیچیدہ امور بغیر رکے انجام دیتی ہے نہ ہی اس میں دماغ ہے اور سوچنے کا کوئی مرکز بھی نہیں ہے۔

تو ثابت ہوتا ہے کہ نری چکنائی اور سالمات پر مشتمل ایک بہت باریک جھلی میں اتنا شعور، فیصلہ کن قوت اور دوسری صلاحیتیں صرف اس کا اپنا کارنامہ نہیں ہیں۔ کچھ یہی معاملہ خلیات میں موجود دوسرے اجزاء کا بھی ہے۔ ان عضوئیوں میں بھی اعصابی نظام مفقود ہے۔ جسم میں صرف دماغ ہی ہے جو سوچتا ہے۔ اس کے باوجود وہ سب ایک سے بڑھ کر ایک پیچیدہ عمل انجام دیتے ہیں۔ زبردست حساب کتاب لگاتے ہیں اور درست فیصلہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ایک ایک جزو خدا کا حکم ماننے پر مجبور ہے جس نے انہیں بے عیب پیدا کیا اور استحکام بخشا ہے۔ سورۃ طلاق کی 12 ویں آیات میں ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔ اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہ اعتبار علم گھیر رکھا ہے''۔

مصنوعی حیات

حال ہی میں ایک خبر نے عالمی ذرائع ابلاغ کو اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔ خبر کچھ یوں ہے کہ دو سائنس دانوں نے ایک بالکل نئے بیکٹیریا کی تالیف کا آغاز کیا ہے۔ ان میں ہیوم جینوم پروجیکٹ سے وابستہ اہم ماہر جے کریگ وینٹر اور نوبل انعام یافتہ سائنس دان ہیملٹن اواسمتھ شامل ہیں۔ یہ دونوں ماہرین جس منصوبے پر کام کر رہے ہیں اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

''ایک یک خلوی جاندار کی تیاری جسے جزوی طور پر انسان تیار کرے گا۔ اس کا مقصد حیات

کے لئے انتہائی ضروری جین کی کم از کم تعداد کا پتا لگانا ہے۔ تجربہ کامیاب ہونے کی صورت میں انسان ساختہ یہ خلیہ غذا استعمال کرتے ہوئے از خود تقسیم سے گزرے گا اور یوں ایک بالکل نئی قسم کی خورد بینی حیات دیکھنے میں آئے گی"۔

بعض ماہرین تجربہ گاہ میں "حیات کی تخلیق" کے اس تجربے کو نظریہ ارتقاء کی شہادت سمجھ رہے ہیں جو حیات کے از خود ظہور کی تائید کرتا ہے۔ سچائی سے بہتر کوئی شے نہیں ہوتی۔ اگر یہ ماہرین اور دوسرے مل کر حیات کی تالیف میں کامیاب ہوئے تو اس سے تخلیق کے عمل کی تصدیق ہو جائے گی۔ وہ دلیل یہ ہے کہ زندگی کا ظہور صرف ذہین صورت گری کی باعث ہی ممکن ہے۔

اسے سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ زمین پر زندگی کے وجود کے دو اہم نظریات کا مختصراً جائزہ لیا جائے۔ ان میں سے ایک تو تخلیق کا نظریہ ہے جبکہ دوسرا نظریہ ارتقاء ہے۔ نظریہ ارتقاء کہتا ہے کہ زمین پر زندگی قدرتی قوانین اور اندھے اتفاقات کا نتیجہ ہے۔ یہ نظریہ کسی بھی ذہانت اور راہنما عمل کو رد کرتا ہے۔

تخلیق کا نظریہ کہتا ہے کہ زمین قدرتی قوانین اور اندھا دھند اتفاقات سے نہیں پیدا ہوئی۔ ان میں اتنی صلاحیت ہی نہیں ہے بلکہ ایک باشعور ہستی نے بڑی خوبصورتی سے زندگی کے تانے بانے کو ترتیب دیا ہے۔

اگر نظریہ ارتقاء کا کوئی تجرباتی یا مشاہداتی ثبوت ہو سکتا ہے تو ضروری ہے کہ بے جان مادے سے حیات کا آغاز کسی صورت گری کے عمل کے بغیر ہوا ہوگا۔ بالفاظ دیگر سائنس دانوں کو یہ ثبوت دینا ہوگا کہ بے جان مادے میں سے کوئی حیاتیاتی عضویہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس طرح کا مشاہدہ پہلے کبھی نہیں کیا گیا ہے۔ بیسویں صدی کی پوری سائنسی تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ زندہ اور بے جان اشیاء کے درمیان اتنی وسیع خلیج حائل ہے کہ اسے صرف ذہانت بھری صورت گری کے تصور سے ہی پاٹا جا سکتا ہے۔ اسی طرح پتھر کے ایک بے ڈھب ٹکڑے اور مائیکل اینجلو کے شاہکار مجسمے کے درمیان فرق کو مجسمہ سازی کے ذہانت بھرے عمل سے ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔ زلزلہ، بارش اور ہوا کے قدرتی عوامل کا ان میں کوئی کردار نہیں ہے۔

اگر سائنس دان واقعی خرد نامئے کی ایک بالکل نئی نوع تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کیا ہوگا؟ دراصل وہ ذہین صورت گری کے نظریئے کو تجربے سے ثابت کر دیں گے کہ حیات صرف بہت پیچیدہ اور بے حد مخصوص معلومات سے ہی وجود میں آتی ہے نہ کہ اندھے حادثات سے۔

دراصل ارتقاء کو جن اتفاقات کی ضرورت ہوتی ہے کریگ وینٹر اور ہیملٹن اسمتھ کا کام اس کے کئی درجے سادہ اور آسان ہے۔ وہ نیوکلیائی ترشوں سے جین یا امائنوترشوں سے پروٹین بنانے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں بلکہ زندہ خلیے میں پہلے سے موجود پروٹین اور جین کو استعمال کریں گے۔ وہ تجربے میں وہ بنیادی اینٹیں استعمال نہیں کریں گے جو فطرت میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ وہ ان پیچیدہ اور بڑے سالمات پر تحقیق کریں گے جو قدرتی عمل سے بنیادی اجزاء کی تالیف سے نہیں بنائے جاسکتے۔

دوسرے الفاظ میں وہ اینٹوں سے مکان تعمیر نہیں کریں گے بلکہ پہلے سے ہی تیار شدہ کسی مکان کی ساخت میں معمولی ردوبدل کریں گے۔ جیسا کہ ایس این بی سی کی رپورٹ سے ظاہر ہے:

''مختصراً وینٹر اور اسمتھ ایک بہت سادہ جسمیہ بنانے جارہے ہیں۔ کچھ وائرس صرف 400 یا 500 جین سے بنے ہوتے ہیں۔ وینٹر اور اسمتھ ایسے ہی کسی ننھے جاندار سے جین نکالیں گے پھر نئے جین کی تالیف کریں گے۔ اس کے بعد دوبارہ اسی جاندار میں داخل کر کے مشاہدہ کریں گے کہ آیا وہ عضوئیہ زندگی کو جاری رکھ پاتا ہے یا نہیں''۔

اس آسان عمل سے بھی ہم زندگی کے ظہور کا موازنہ کر سکتے ہیں جسے صورت گری اور معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ منصوبہ ان سائنسی معلومات پر مشتمل ہے جنہیں جدید سائنس نے کئی صدیوں میں جمع کیا ہے۔ اس میں حاصل شدہ اعلیٰ ٹیکنالوجی بھی استعمال کی جائے گی۔ ان سب کے باوجود یہ اب بھی اتنا پیچیدہ عمل ہے کہ اس کے لئے امریکی محکمہ توانائی نے 3 سال کے لئے 30 لاکھ ڈالر کی رقم مختص کی ہے۔

موجودہ عہد میں سائنس کی دیگر ترقیوں کے علاوہ مصنوعی حیات کی جستجو بھی ایک اہم موضوع

ہے۔ اور یہ ثابت کرتا ہے کہ زمین پر زندگی اندھے فطری قوانین سے نہیں بلکہ اسے عظیم خالق نے ممکن بنایا ہے۔ جو سب کو تخلیق کرنے کی حکمت اور قوت رکھتا ہے۔

کائنات کی گمشدہ کڑی

مادہ پرستی کا فلسفہ کہتا ہے کہ کائنات محض مادے کا ایک ڈھیر ہے اور اس میں ذہین صورت گری کا کوئی تصور ہی نہیں ہے نہ ہی منصوبہ بندی اور تخلیق کو دخل حاصل ہے۔ بیسویں صدی کی سائنسی دریافتوں نے کئی لحاظ سے اس خیال کو رد کیا ہے۔ پہلے بگ بینگ کے نظریئے نے ثابت کیا کہ کائنات کا آغاز ہوا ہے۔ وہ وقت اور مادے کا نقطہ آغاز تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت اور مادہ جنہیں مادہ پرستی کا لازمی جز و قرار دیا جاتا ہے، اصل میں ثانوی چیزیں ہیں جنہیں کسی بلند ہستی نے تخلیق کیا ہے جو ان سے بھی پہلے موجود تھی۔ مادہ پرستی کی رہی سہی عمارت اس تصور نے تباہ کر دی جب سائنس دانوں نے کائنات میں توازن، نظم و ضبط اور صورت گری کو دریافت کیا۔ اسے ''بشری اصول'' (اینتھر و پک پرنسپل) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نظریہ کہتا ہے کہ کائنات زیر جوہری ذرات سے لے کر بڑے ستاروں تک تمام طبیعی مظاہر صرف انسانی حیات کو ممکن بنانے کے لئے ترتیب دیئے گئے ہیں۔

ان حقائق کے باوجود بھی مادہ پرستی کے حامل اب بھی اپنے نظریات سے چمٹے ہوئے ہیں۔ لیکن اب چند ماہرین اپنے شبہات پر سوال کرنا شروع ہو گئے ہیں۔ 13 اگست 2002ء کے روزہ ہفت روزہ نیچر میں ایک خبر شائع ہوئی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہماری کائنات میں کوئی ایسی شے ہے جسے ہم نظر انداز کر رہے ہیں۔ کائنات کی عظیم صورت گری کے متعلق ممتاز ماہرین طبیعیات کے شکوک کو اس طرح بیان کیا گیا:

''قدیم یونانیوں کے کام آنے والے نظریئے میں اب ماہرین طبیعیات کو ادھورا پن نظر آ رہا ہے۔ ان کے مطابق جس ترتیب سے کائنات نظر آ رہی ہے، اس ترتیب میں آنے کے لئے اسے معجزے کی ہی ضرورت ہوگی۔

کیلیفورنیا میں اسٹینفر ڈ یونیورسٹی کے ماہر لیونارڈ سسکنڈ اور ان کے رفقاء کا خیال ہے کہ

قدرے تیزی سے پھیلتی ہوئی کائنات خود کو دہرا سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ اپنی ابتدا کی کہانی دہرا سکتی ہے۔ لیکن اس عمل میں ہماری جیسی دنیاؤں کے وجود میں آنے کا امکان لامتناہی حد تک بعید ہوگا۔ تو خلاء ان وجوہ کے تحت نہیں پھیل رہا جو ہم خیال کرتے ہیں یا پھر ہمیں طبعیات کے نئے قوانین دریافت کرنا ہونگے۔ ایسے قوانین کسی رہنما فرشتے کی طرح ہمیں ان چند ابتدائی کیفیات سے روشناس کرائیں گے جن کے تحت ہماری کائنات آج اس مقام پر پہنچی ہے۔ اس طریقے سے وہ کائناتی ارتقاء میں ہماری رہنمائی کریں گے۔

یہ اس صورتحال کی ناواقفیت ہی ہے جس نے سسکنڈ اور اس کے رفقائے کار کو مجبور کیا ہے کہ وہ اس نامعلوم عامل کی جانب غور کریں جس کی بدولت ارتقاء کرتے ہوئے کائنات آج اس حال پر موجود ہے''۔

یہ الفاظ لکھنے کے بعد نیچر اپنے روایتی خیالات پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ ''نامعلوم عامل'' خدا نہیں ہے۔ تاہم یہ بات کہنے کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے۔ اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ خدا پر ان کا ایمان ہی نہیں ہے۔

یہ درست ہے کہ مادہ پرست طبقے کائنات کے آغاز کے بارے میں کسی ''گمشدہ شے'' کی تصدیق کررہے ہیں۔ وہ ایک بہترین صورت گر اور معجزاتی تخلیق کے بھی قائل ہیں مگر انہیں خدا کا وجود گوارا نہیں ہے۔ اگر وہ مسلسل غور وفکر کرتے رہیں تو جلد یا بدیر از خود سچائی تک پہنچ جائیں گے۔

اس حقیقت کو پالیں گے کہ اس تمام کائنات کو تخلیق کرنے والی عظیم ہستی خدا ہی ہے۔

سالماتی موازنے میں ارتقاء کارد

دراصل مختلف انواع کے درمیان جینیاتی یکسانیت کا تصور ارتقائی رشتے داری کو ثابت ہی نہیں کرتا۔ حالیہ برسوں میں کئی سائنسی دریافتوں نے ارتقائی مفروضات کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ جانوروں کے پروٹین، آر این اے اور جین میں یکسانیت کو دیکھ کر نظریہ ارتقاء کے تحت قریبی تعلق کا مفروضہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔ اصل میں یہ کئی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی

ہیں۔ 1999ء میں تین سالماتی حیات دانوں جیمز اے لیک، روی جین اور ماریہ سی ریورا نے ایک مضمون میں لکھا تھا:

''..... سائنس دان اب مختلف جانداروں میں کئی اقسام کے جین کا تجزیہ کر رہے ہیں۔ تحقیقات سے عیاں ہے کہ ان میں صرف آر این اے کا تجزیہ ہی انکے تعلقات کی بناء پر ارتقائی جد اعلیٰ کی نفی کرتا ہے''۔

باہمی موازنہ خواہ پروٹین کا ہو، آر این اے کا ہو یا جین کا، یہ سب کسی طرح بھی نظریہ ارتقاء کو ثابت نہیں کرتے۔ یونیورسٹی آف الینوائے کے ممتاز ماہر حیاتیات بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ سالماتی انکشافات سے فائلوجینی (نسلی ارتقاء) کا تصور بھی ختم ہو چکا ہے۔

مختلف الاقسام پروٹین کے نسلی ارتقاء سے بھی جانداروں کے مسلسل نسلی ارتقاء کے شواہد نہیں ملے ہیں۔ جانوروں کے عالمگیر شجرۂ نسب میں نسلی ارتقاء کی غیر موزونیت جا بجا دیکھنے میں آئی ہے۔ اس کی جڑوں سے لے کر شاخوں تک اور (جانداروں) کے بنیادی گروپس تک ہر جگہ نسلی ارتقاء میں غیر یکسانیت ملتی ہے۔

اصل امر یہ ہے کہ جانداروں کا باہمی سالماتی موازنہ نظریہ ارتقاء کی تصدیق کے بجائے تردید کرتا ہے۔ ''سائنس'' نامی ممتاز علمی جریدے کی 1999ء کی اشاعت میں ایک مضمون بعنوان 'اب وقت آ گیا ہے کہ شجرہ حیات کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے'' شائع ہوا۔ مضمون کی مصنفہ ایلزبتھ پینسی نے لکھا کہ شجرہ حیات پر تحقیق کے لئے ڈارون پرست حیاتیات دانوں نے جو جینیاتی تجزیے اور موازنے کئے ان سے براہ راست الٹ نتائج حاصل ہوئے ہیں۔ نیا ڈیٹا ارتقائی تصویر کو گرد آلود کر رہا ہے۔

ایک سال قبل ایک درجن سے زائد خردنامیوں کی جینیاتی نقشہ کشی اس لئے کی گئی کہ شاید یہ زندگی کی ابتدائی تاریخ کے مفروضے کو کسی حد تک ثابت کر سکے۔ لیکن جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ اسے درہم برہم کرنے کے لئے کافی تھا۔ مختلف جانداروں کے جینوم کے باہمی موازنے سے مختلف حیاتیاتی گروہوں کے ارتقاء کی صورت حال واضح ہونے کے بجائے مزید پیچیدہ ہو گئی۔

اب ان کے پاس آٹھ مختلف خرد نامیوں کے جینوم کی تفصیلات اس عمل کو مزید دھندلا کر رہی ہیں۔

ارتقائی حیاتیات کے ماہرین کو یقین تھا کہ وہ ان خرد نامیوں کی جینیاتی نقشہ کشی سے جانداروں کی تین مختلف دنیاؤں (کنگڈم) کی ابتداء ارتقاء کو دریافت کرلیں گے۔ مگر جب ڈی این اے کا مکمل نقشہ سامنے آیا اور کئی اقسام کے جین کا باہمی موازنہ کیا گیا تو انہوں نے اپنی توقعات کم کرکے یہ کہا کہ شاید اس طرح شجرہ حیات میں چند معلومات ہی کا اضافہ ہو جائے گا۔ روک ویل، میری لینڈ میں واقع انسٹی ٹیوٹ آف جینومل ریسرچ کے سربراہ کلیئر فریزر نے کہا ''سچائی سے ہٹ کر کوئی اور شے نہ مل سکی''۔ ان موازنوں کے مطالعے نے شجرہ حیات کی کئی اقسام پیدا کردیں جو نہ صرف آر این اے کے شجرہ حیات سے قدرے مختلف ہیں بلکہ ایک دوسرے سے بھی متصادم ہیں۔

انسان اور چمپانزی جینیاتی طور پر یکساں نہیں ہیں

ایک طویل عرصے سے ارتقاء پرست اس بے بنیاد مفروضے کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں کہ انسانوں اور چمپانزی کی جینیاتی ترکیب میں بہت معمولی فرق ہے۔ کسی بھی ارتقاء پرستی کی تحریر دیکھئے تو آپ کو ایسے جملے پڑھنے کو ملیں گے: ''ہم چمپانزی سے 99 فیصد مشابہت رکھتے ہیں'' یا ''صرف ایک فیصد ڈی این اے ہی ہمیں انسان بناتا ہے'' وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ انسان اور چمپانزی کی جینوم کا سنجیدگی سے موازنہ کیا ہی نہیں گیا ہے۔ مگر ڈارون پرستی کا نظریہ یہی مفہوم اخذ کرنے پر مجبور کر رہا ہے کہ ان دونوں انواع میں بہت معمولی فرق ہے۔

حالیہ تحقیق و مطالعے سے ظاہر ہوا ہے کہ دیگر بہت سے معاملات کی طرح ارتقاء پرستوں کا یہ مفروضہ بھی بالکل غلط ہے۔ انسان اور چمپانزی میں 99 فیصد مشابہت نہیں ہے جیسا کہ ارتقاء پرستوں کی افسانوی کہانی بتاتی ہے۔ بلکہ یہ جینیاتی یکسانیت 95 فیصد سے بھی کم ہے۔ سی این این کی ویب سائٹ پر ایک خبر بعنوان ''انسان، چمپانزی قیاس سے زیادہ مختلف ہیں'' میں یوں کہا گیا تھا: ''نئی جینیاتی تحقیق کے تحت انسان اور چمپانزیوں کے درمیان فرق اس سے بھی زیادہ ہے جیسا کہ پہلے قیاس کیا جاتا رہا تھا''۔

حیاتیات دان ایک مدت سے کہہ رہے ہیں کہ چمپانزی اور انسانی جین 98.5 فیصد تک یکساں ہیں۔ مگر کیلیفورنیا انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے ماہر حیاتیات رائے برٹین نے قدرے نئے طریقوں سے ان دونوں جانداروں کے جین کا موازنہ کرنے کے بعد اپنے مقالے میں کہا ہے کہ انسانوں اور چمپانزی کے جین میں 95 فیصد یکسانیت ہے۔

برٹین نے یہ دعویٰ ایک کمپیوٹر پروگرام پر تحقیق کے بعد کیا ہے جس کے ذریعے انہوں نے انسانی ڈی این اے کے تین ارب اساسی جوڑوں میں سے 780,000 کا موازنہ چمپانزی کی اساسوں سے کیا تھا۔ اس نے پچھلے ماہرین سے زیادہ غیر یکسانیت دریافت کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ انسان کا کم از کم 3.9 فیصد ڈی این اے (چمپانزی سے) مختلف ہوتا ہے۔ اس نے آخر کار یہ کہا کہ ان دونوں انواع کے بنیادی جین میں 5 فیصد تک فرق ہے۔

ڈارونزم کا حامی ممتاز بین الاقوامی ہفت روزہ نیو سائنٹسٹ انسان اور چمپانزی کے جینیاتی فرق کی اسی خبر میں رقم طراز ہے: ''ہم اس سے زیادہ انوکھے ہیں جیسا کہ پہلے خیال کیا جاتا تھا۔ انسان اور چمپانزی کے ڈی این اے کے درمیان ایک نیا موازنہ کیا گیا ہے۔ بہت پہلے سے یہ خیال کیا جارہا تھا کہ ہم اپنی قرابت دار (چمپانزی) سے 98.5 فیصد مماثلت رکھتے ہیں۔ یہ خیال اب غلط ثابت ہورہا ہے۔ ہم صرف 95 فیصد یکساں جینیاتی مادہ رکھتے ہیں۔ یوں ہمارے اور چمپانزی کے درمیان جینیاتی فرق میں 3 گنا اضافہ ہوگیا ہے''۔

رائے برٹین اور دیگر ماہرین ان نتائج کو نظریہ ارتقاء کے تحت بیان کررہے ہیں۔ درحقیقت ایسا کرنے کی کوئی سائنسی وجہ موجود نہیں ہے۔ نظریہ ارتقاء نہ تو رکازی ریکارڈ اور نہ ہی جینیاتی اور حیاتی کیمیائی معلومات سے ثابت ہوا ہے۔ اس کے برخلاف شواہد بتاتے ہیں کہ کرہ ارض پر حیات مختلف شکلوں میں یکدم نمودار ہوئی تھی جس میں ارتقائی جد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان جانداروں کے پیچیدہ ترین نظام ''ذہانت بھری صورت گری'' کو ثابت کرتے ہیں۔

مشترکہ اجداد نہیں مشترکہ صورت گری

مگر اب سوال یہ ہے کہ انسانوں اور چمپانزی کے درمیان 95 فیصد مماثلت کا مطلب کیا

ہے؟ اس سوال کا جواب پانے کے لئے ہمیں ذرا وسیع تصویر کو دیکھنا ہوگا۔ جب ہم جینیاتی مماثلت کو دیکھتے ہیں تو ہم ایسی حیرت انگیز یکسانیت دیکھتے ہیں۔ جو انواع کے ارتقائی تعلقات (بلکہ رشتے داری) کو ثابت نہیں کرتی۔ مثلاً جینیاتی تجزیے سے یہ دلچسپ بات پتا چلی کہ انسان اور نیماٹوڈ کیڑوں کے ڈی این اے 75 فیصد تک ملتے جلتے ہیں۔ ارتقاء پرستوں کے بیان کردہ شجرہ نسب میں فائلم کوڈیٹا (جس میں انسان بھی شامل ہے) اور فائلم نیماٹوڈا (جس میں مذکورہ بالا کیڑا شامل ہے) ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہیں۔ اب سے 5 کروڑ تیس لاکھ سال پہلے بھی یہ ایک دوسرے سے بالکل جدا تھے۔ مگر یہ 70 فیصد مشابہت ان دونوں انواع کے درمیان مماثلت کی بہت بڑی شرح ہے۔ حالانکہ یہ ایک دوسرے سے بہت مختلف اور غیر یکساں حیات ہیں۔ اسی لئے ان پر ارتقائی تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری جانب چند پروٹین پر تجزیے کے بعد پتا چلا ہے کہ انسان بہت مختلف ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے محققین نے زمین پر ریڑھ کے ہڈی والے جانداروں کے کچھ پروٹین کا باہم موازنہ کیا تو بڑی عجیب صورتحال دیکھنے کو ملی۔ پروٹین کے تحت، مرغی ہماری قریبی رشتے دار ہے اس کے بعد مگرمچھ کی باری آتی ہے۔

یہ اور دیگر نتائج بتاتے ہیں کہ انسانوں اور جانوروں اور خود جانوروں میں بھی یکسانیت کسی طرح بھی ارتقائی فریم میں فٹ نہیں ہوتیں۔ بالفاظ دیگر اس یکسانیت کو ہم ''مشترکہ آباؤاجداد'' سے ثابت نہیں کر سکتے جیسا کہ نظریہ ارتقاء بیان کرتا ہے۔

اگر یہ بات نہیں تو اس قدر مشترک کی وجہ کیا ہے؟ اس کے لئے ہمیں اس موضوع پر نئے سرے سے غور کرنا ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف جانداروں میں ان بنیادی خواص کی جڑ یہی ہے کہ ان کی ضروریات اور افعال کافی حد تک یکساں ہیں۔ انسان میں چند جانوروں سے سالماتی یکسانیت موجود ہونا معقول بات ہے کیونکہ تمام جاندار یکساں سالمات سے وجود پذیر ہوئے ہیں۔ یہ تمام وہی پانی اور یکساں فضا استعمال کرتے ہیں۔ پھر جو غذا کھائی جاتی ہے اس کی سالماتی ترکیب بھی یکساں ہی ہوتی ہے۔ یقیناً ان میں استحالہ (میٹابولزم) اور آخر کار جینیاتی ترکیب کو

ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہونا چاہیے۔ تاہم یہ اس امر کا ثبوت ہرگز نہیں ہے کہ سارے جانداروں کے آباؤاجداد ایک ہی تھے۔

لیکن اس صورت میں تمام جانداروں کی یکساں ساخت اور جینیاتی مماثلت کی کیا سائنسی وجہ بیان کی جاسکتی ہے۔ کارل لینئس اور رچرڈ اووِن جیسے سائنس دان وہ اولین ماہرین تھے جنہوں نے جانداروں میں یکسانیت کے مسئلے پر غور کیا۔ انہوں نے اس کی وجہ ''مشترکہ صورت گری'' کو قرار دیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یکساں عضو اور یکساں جین ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ کسی مشترکہ جد امجد سے محض اتفاقات سے وجود میں آئے ہیں بلکہ یکساں امور انجام دینے کے لئے ان کو اسی صورت میں ڈھالا گیا ہے۔

جدید سائنسی نظریات کے تحت مختلف جانوروں میں ان یکساں خواص کو دیکھتے ہوئے ''مشترکہ وارث'' کا مفروضہ غلط ثابت ہو چکا ہے۔ اس کی واحد عقلی دلیل ''مشترکہ صورت گری'' ہی ہے۔ جس کو ہم تخلیق بھی کہتے ہیں۔

فضول ڈی این اے کی حقیقت

حیاتیات پر مضامین اور کتب میں آپ کو ''فالتو ڈی این اے'' (Junk DNA) کی اصلاح ملے گی۔ یہ تصور ارتقاء پرستوں کا پھیلایا ہوا ہے کہ ہمارے ڈی این اے کا بہت سا حصہ کسی کام کا نہیں ہے اور اسے ''فالتو ڈی این اے'' کا نام دیا گیا ہے۔ ارتقاء پرست اسے اپنے غلط مفروضوں کے لئے پیش کر رہے ہیں کہ انسان اور بقیہ جاندار ارتقاء کے اندھے اور حادثاتی عمل سے وجود میں آئے ہیں۔ اسی لئے ڈی این اے کا یہ حصہ بھی انہی اتفاقات سے وجود میں آیا ہوگا۔ دراصل اس وقت ڈی این اے کے ان حصوں کو صحیح طریقہ سے سمجھا ہی نہیں گیا تھا اور ارتقاء پرستوں نے جھٹ سے اسے فالتو اور کباڑ قرار دے دیا۔ یہ غفلت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

حال ہی میں سائنس ڈیلی کی ویب سائٹ پر ایک خبر بعنوان Essential Cell Division "Zipper" Anchors to So-Called junk DNA شائع ہوئی۔ اس میں لکھا تھا:

29" اگست کو جریدہ نیچر میں ایک نئے مطالعے کا ذکر کیا گیا ہے۔ وسٹار انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ محققین نے ایک اتصال پذیر پروٹینی مخلوطہ (Protein Complex) دریافت کیا جو کروماٹین کی شکل بدل کر اسے ڈی این اے سے پیوست ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ انہوں نے انسانی جینوم میں وہ جگہ دریافت کرلی جہاں یہ اتصال ہوتا ہے۔ یہ حیرت انگیز بات ہے کہ جینوم پروٹین کے اتصال کی وہی جگہیں ہیں جہاں ڈی این اے تسلسل کی بار بار تکرار ملتی ہے اور ماہرین اسے فالتو قرار دے چکے تھے۔ ڈی این اے کے ان حصوں کو ALU تسلسل کہا جاتا ہے۔ اب تک جینیاتی سرگرمیوں میں ان کا کوئی کردار نہیں دیکھا گیا تھا اور ماہرین اسے اکثر اوقات کباڑ ڈی این اے بھی کہتے ہیں۔

وسٹار انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ معاون پروفیسر اور نیچر میں رپورٹ کے مصنف رامن شیخ عطار کہتے ہیں "پورے انسان جینوم میں 5 سے 10 لاکھ اے ایل یو تسلسل بار بار ملتے ہیں۔ یہ جینوم میں عام پائے جاتے ہیں۔ یہ معقول بات ہے کہ یہ پروٹین کو جوڑنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ پیوست ہونے والے پروٹین کوہیسن کہلاتے ہیں۔ یہ نقل شدہ ہمشیرہ ڈی این کے (Sisters DNA) کو اس وقت تک جوڑے رکھتا ہے جب تک ان کی تقسیم کا وقت نہیں آجاتا۔ ایسے نظام کو کام کرنے کے لئے پورے ڈی این اے میں پیوست ہونے والی ایسی کئی جگہوں کی موجودگی ضروری ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کوئی انوکھا تسلسل نہیں ہوسکتا"۔

واشنگٹن پوسٹ کی ایک اشاعت میں بھی اسی طرح کا مضمون شائع ہوا ہے۔ اس کا عنوان ہے "فالتو ڈی این اے میں ضروری معلومات موجود ہیں" اس مضمون کے چند مندرجات درج ذیل ہیں: "حیاتیات کی جماعتوں میں جینیاتی مادوں کے جس لمبے تسلسل کو "کچرا ڈی این اے" کہا جاتا رہا تھا، دراصل اس میں افزائش اور بقاء کی ضروری ہدایات موجود ہوتی ہیں جو انسانوں اور تمام جانداروں میں اہمیت رکھتی ہیں۔ شاید ان کے ذریعے سرطان، امراض قلب اور دیگر پیچیدہ امراض کو بھی سمجھا جاسکے گا۔

"اگرچہ ڈی این اے کے ان حصوں میں جین موجود نہیں جو انسانوں اور دیگر جانداروں میں

پروٹین سازی کا کام کرتے ہیں تاہم ان نئے حصوں میں زیادہ تر وہ ہدایات موجود ہیں جو جسم کو بتاتی ہیں کہ وہ جین کیسے استعمال کرے۔ اسے کب اور کہاں اور کتنے عرصے کے لئے کھولنا یا بند رکھنا ہے''۔

سائنس دان ایک مدت سے یہ جانتے ہیں کہ جینوم میں ایسی ہدایات موجود ہیں جن سے امراض اوران کے پھیلاؤ کو سمجھا جاسکتا ہے۔لیکن مذکورہ بالا نئے تجزیئے نے ماہرین کوورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ اس میں موجود ہدایات جین کے مجموعے کے برابر ہیں یا شاید اس سے بڑھ کر ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ آپ بازار سے ایک نیا آلہ خرید کر لائے اور جب اس کا ڈبہ کھولا تو اسے استعمال کرنے کے لئے 300 صفحات کا ہدایتی کتابچہ پہلے سے ہی موجود پایا۔

اس نئی تحقیق کے اہم کردار ایرک لینڈر بھی ہیں۔ وہ میساچیوسیٹس کیمبرج میں وائٹ ہیڈ انسٹی ٹیوٹ آف بائیو میڈیکل میں جینوم ریسرچ کے ڈائریکٹر ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''اوہ خدایا! انسانی جینوم میں ہماری توقع سے بھی بڑھ کر معلومات موجود ہیں''۔ اسی طرح سائنس داں اب یہ کہہ رہے ہیں کہ پیچیدہ امراض اس لئے پیدا نہیں ہوتے کہ اہم پروٹین کی ہدایات والے جین تباہ ہوجاتے ہیں بلکہ ان جین کو استعمال کرنے کی ہدایات متاثر ہوتی ہیں۔

سائنس دان ہمیشہ سے جینیاتی ہدایات کی کتاب کی اہمیت سے واقف ہیں۔لیکن معدودے چند نے یہ تصور کیا ہوگا کہ وہ اس قدر بڑی ہوگی کہ جین کی تعداد سے بھی تجاوز کر جائے گی۔ اب اہم سائنس دان یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ''کباڑ ڈی این اے'' کا لفظ ختم کرنا ہوگا۔ اب اسے دوبارہ تحقیقی نقشوں میں جگہ دینا ہوگی تاکہ نئے ماڈل بنائے جاسکیں۔

اگرچہ واشنگٹن پوسٹ میں اس مضمون کو جس خاتون نے تحریر کیا ہے وہ خود ارتقائی سائنس دان ہیں مگر اب بھی اس نظریئے پر یقین رکھتی ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ارتقاء کے مفروضات ایک ایک کر کے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔

(بشکریہ گلابل سائنس)

ڈاکٹر عبدالرحمن بارکر (امریکہ)

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

معروف مستشرق، ماہر لسانیات، ادیب و محقق اور مبلغ ڈاکٹر عبدالرحمن بارکر کا تعلق ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے ہے۔ ذیل کا انٹرویو ''اردو ڈائجسٹ'' کے مدیر گرامی جناب الطاف حسن قریشی نے مرتب فرمایا تھا۔ ان کے شکریے کے ساتھ یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

اورینٹل کالج لاہور کی بالائی منزل میں جہاں گھنے درختوں کے شاداب سائے اور ماحول کی خاموشی میں تحلیل ہونے والی میٹھی سرگوشیاں زندگی کو حسین تر بنا دیتی ہیں ایک کشادہ کمرہ ہے، جس میں اردو زبان پر جدید انداز میں تحقیق کرنے والے ماہرین میزوں پر جھکے نظر آتے ہیں۔ اس شعبے کے صدر جناب ڈاکٹر عبدالرحمن بارکر صاحب ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے حال ہی میں ایک کتاب اردو میں ترتیب دی ہے جس کا نام ''محفل'' رکھا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اردو کے ان شعراء کا منتخب کلام جمع کیا ہے جن کو لاہور کے مشاعروں میں وہ سن چکے ہیں۔ یہ کتاب جب میری نظر سے گزری تو مجھ میں ڈاکٹر صاحب سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، ایک تو اس لئے کہ وہ امریکی مسلمان ہیں، دوسرا اس لئے کہ وہ غیر ملکی ہونے کے باوجود اردو زبان میں حد درجہ دلچسپی لے رہے ہیں یعنی جو کام ہم پاکستانیوں کو کرنا چاہیے تھا وہ ڈاکٹر صاحب کر رہے ہیں۔

میں نے فون پر ڈاکٹر صاحب سے انٹرویو کے لئے وقت مقرر کیا۔ وقت معین پر اورینٹل کالج کی سیڑھیوں پر ماضی کی حسین یادوں کے نقوش ڈھونڈتا ہوا بالائی منزل میں پہنچ گیا۔ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ سرخ و سفید چہرہ، شباب کی رعنائیاں لئے ہوئے کشادہ پیشانی، جس پر زندگی کے اتار چڑھاؤ کے غیر مرئی نقوش مرتسم تھے۔ بلند قامت، مسکراتی آنکھیں جیسے غصے کی کیفیت سے کبھی آشنا ہی نہیں ہوئیں گفتگو میں انس کے لہجے کی نفاست چال میں متانت اور دھیمے پن کا حسین امتزاج، گرمجوشی سے ملے، باتیں شروع ہوئیں۔ وقت بھی کچھ دیر کے لئے

ہماری باتیں سننے کے لئے ٹھہر گیا۔ میں سوچنے لگا، زندہ قوموں کے افراد کی باتیں بھی کتنی حیات آفریں ہوتی ہیں۔

میں نے بارکر صاحب سے سب سے پہلا سوال ان کی ابتدائی زندگی کی بارے میں کیا۔ اس سوال پر وہ ایسے کھو گئے جیسے گزرے ہوئے ایام کے دریچوں میں جھانکتے ہوئے وہ کسی منظر کی رعنائیوں میں گم ہو گئے ہوں کہنے لگے:

''تینتیس سال پہلے کی بات ہے جب میں ریاست واشنگٹن میں، جو بحرالکاہل کے کنارے دارالحکومت واشنگٹن سے تین ہزار میل کے فاصلے پر واقع ہے، ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہوا۔ والد صاحب محکمہ تعلیم میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ انہوں نے میری تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دی۔ میں مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں علم کی پیاس بجھاتا رہا۔ 1951ء میں فلبرائیٹ سکالرشپ پر ہندوستان آیا۔ اس خطے میں میرے آنے کا مقصد مختلف باشندوں کی لسانی اور تہذیبی تاریخ وروایات پر تحقیق کرنا تھا۔ یہاں پانچ چھ سال گزارنے کے بعد میں واپس امریکہ چلا گیا۔ وہاں سے کینیڈا آیا۔ یہاں مشہور مستشرق عالم سمتھ کی زیرنگرانی مختلف مذاہب پر کام کرتا رہا۔ ریڈ انڈینز پر تحقیقی کام کر کے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم وتدریس کے مختلف مراحل پر دس بارہ زبانیں سیکھنے کے مواقع ملے۔ انگریزی کے علاوہ عربی، فارسی، اردو، بلوچی، پشتو، براہوی، سیامی، فرانسیسی، جرمن، یونانی، سنسکرت اور ہندوستان کے دکنی باشندوں کی چار پانچ بولیاں سیکھیں۔ 1959ء میں فورڈ فاؤنڈیشن کی تحریک پر پاکستان آیا تاکہ اردو زبان پر جدید انداز میں تحقیق کی جائے۔

بارکر صاحب زندگی کے اوراق پلٹتے جا رہے تھے اور میں حیرت کا مجسمہ بنا کسی سوچ میں غرق تھا، کتنا محنتی ہے یہ شخص۔ تیس بتیس سال کی چھوٹی سی عمر میں علم وفن کے کتنے گہر ہائے گرانمایہ اپنے دامن میں ٹانک لئے ہیں، کتنے ہی سمندر پی لئے ہیں اور ابھی تشنگی باقی ہے۔ علم کا غرور مزاج کو چھو کر بھی نہیں گیا۔ علم وفن کی باتیں ہو رہی تھیں، اس لئے ذہن میں امریکہ کے تعلیمی نظام کی متعلق سوالات ابھرنے لگے۔ تاہم میں نے بارکر صاحب سے وہ سوال کر ہی دیا جو سب سے زیادہ اہم

تھا۔

''آپ نے اسلام کیوں کر قبول کیا؟''

''اسلام'' وہ یہ کہہ کر خاموش سے ہو گئے'' بھائی یہ ایک طویل داستان ہے گو اس کے دہرانے میں ایک طرح کا لطف آتا ہے لیکن ماضی کی بے اعتدالیاں دل و دماغ میں تلخیاں گھول دیتی ہیں'' پھر انہوں نے اختصار کے ساتھ وہ ایمان افروز واقعات سنائے جن میں عبرت بھی تھی اور دعوت غور و فکر بھی۔ انہوں نے بتایا کہ میرے والد مذہب سے کوسوں دور تھے۔ ایک دفعہ جب میں نے ان سے خدا کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواباً کہا ''میں خدا کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں، میری اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور مجھے زندگی میں اس کی ضرورت بھی کیا ہے، جبکہ ہر آسائش میسر ہے''۔ والد صاحب کا جواب میری تشفی نہ کر سکا۔ میں نے اپنے طور پر مختلف ادیان کا مطالعہ شروع کیا۔ یہودیت اور عیسائیت کی مقدس کتابیں بنظر غائر پڑھیں۔ اناجیل قدیم و جدید میں سوائے انتشار و اختلاف کے اور کچھ نہ پایا۔ ان کی تاریخی حیثیت بھی میرے نزدیک مشکوک تھی۔ اسلام کے مطالعے کا اس ماحول میں سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اسلام کے بارے میں وہاں کے لوگوں کا عام تاثر یہ تھا کہ یہ وحشیوں، پاگلوں اور جنون زدہ لوگوں کا مذہب ہے اور ظاہر بات ہے کہ میں اپنے آپ کو اس وقت وحشی کہلوانے کیلئے کیسے تیار ہو سکتا تھا۔ پھر جب میں ہندوستان آیا اور مجھے یہاں کئی سال گھومنے پھرنے اور ہندو علماء سے ملنے کے مواقع ملے تو میں نے ہندو مذہب کا مطالعہ کیا، مگر میں نے اس مذہب میں مستقل اقدار کا فقدان پایا۔ اس مذہب میں کچھ ایسا لجھاؤ تھا کہ میں خود الجھ کر رہ گیا ہندوستان کے جنوب میں ایسے ہندو آباد ہیں، جن کے مذہبی عقیدے کی رو سے ایک عورت کے ساتھ بیک وقت چھ سگے بھائی شادی کر سکتے ہیں اور وہ اپنے عقیدے کی بنیاد مہابھارت پر رکھتے ہیں۔ میں ذہنی اور روحانی طور پر اسی تذبذب، پریشانی اور گومگو کی حالت میں تھا کہ ایک دن مجھے ایک نوجوان ملا، جس کے ذریعے آگے چل کر میری کایا ہی پلٹ گئی۔

یہ نوجوان مسلمان خاندان سے تعلق رکھتا تھا، لیکن ذہنی طور پر وہ دین اشتراکیت پر ایمان

لائے ہوئے تھا۔ وہ میرے قریب اس لئے آیا کہ مجھے ایک امریکی ہونے کی وجہ سے ہدف ملامت
بنانا چاہتا تھا۔ میں شروع میں اس کی طنز آمیز باتیں سنتا رہا، لیکن ایک دن میں نے اسے بتایا کہ
میں اس طرح کا امریکی نہیں ہوں جس پر تم پھبتیاں کسو۔ مجھے امریکی حکومت کی پالیسی سے کوئی
سروکار نہیں۔ میں تو ایک طالب علم ہوں اور سب کا دوست ہوں۔ اس کے بعد میرے اس سے
دوستانہ مراسم قائم ہو گئے۔ ایک دن اس نے مجھے اپنے گھر لے جانے پر اصرار کیا۔ میں ساتھ
ہولیا۔ راستے میں اس نے مجھے بتایا کہ میرے والد صاحب مولوی قسم کے آدمی ہیں، مجھے ان کی
باتیں اچھی نہیں لگتیں، کیونکہ وہ اوٹ پٹانگ گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے تم بھی ان سے
زیادہ باتیں نہ کرنا، ورنہ اکتا جاؤ گے۔

جب ہم اس کے گھر پہنچے تو اس کے والد نے میرا پرتپاک خیر مقدم کیا ان کی شخصیت میں کچھ
ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ میں ان کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ مجھے ان کی باتوں میں خلوص، صداقت
اور محبت جھلکتی نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے نہایت واضح اور صاف الفاظ میں مجھے اسلام کے متعلق
کچھ بنیادی باتیں بتائیں۔ میں نے ان میں وزن محسوس کیا۔ ملاقاتوں کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ مجھے
تحقیق کے سلسلے میں بہار کے جنگلوں میں جانا تھا۔ انہوں نے چلتے وقت مجھے کچھ کتابیں دیں، جو
زیادہ تر انگریزی میں تھیں۔ ان میں پکتھال صاحب کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہوا قرآن بھی تھا۔
میں نے ان کتابوں کے پڑھنے کا وعدہ کیا اور بہار کے جنگلوں میں چلا گیا، وہاں تنہائی تھی۔ پورا
ماحول قدرت کی دلفریبیوں اور رعنائیوں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھا۔ طائران خوش الحان
اپنی نغمہ سنجیوں سے ساز دل کے تار ہلا رہے تھے۔ وجدان ایک کیف آئین سرور سے معمور تھا۔ خود
بخود خیال آیا کہ قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے۔ سورۃ کوثر کھلی، پڑھنا شروع کیا۔ چھوٹے چھوٹے
بول میرے دل میں تیر و نشتر کی طرح پیوست ہوتے چلے گئے۔ ان کے ترنم نے میرے کانوں
میں رس گھول دیا۔ معلوم نہیں ان میں کیا جادو تھا کہ میری زبان بے اختیار انہیں دہرانے لگی۔
پڑھتا چلا گیا۔ میں نے یوں محسوس کیا کہ آب حیات کے قطرے مرجھائے ہوئے پھولوں کو تازگی
اور شگفتگی بخش رہے ہیں۔ دل چاہتا تھا کہ قرآن کی پاکیزہ تعلیمات پر ایمان لے آؤ، لیکن مادہ

پرست ماحول میں پرورش پائے ہوئے ذہن کا کبر وغرور یقین میں شک کی آمیزش کر رہا تھا۔ دل اور دماغ کی یہ کشمکش جاری رہی۔ یہاں تک کہ میں پھر لکھنؤ آ گیا آتے ہی مولوی صاحب سے ملا اور ان تمام شکوک وشبہات کو ان کی سامنے رکھا، جو میرے ذہن میں ابھی تک اسلام کے بارے میں موجود تھے۔ ان میں زیادہ تر رسالت کا مقام، اسلام میں عورت کی حیثیت اور حرام اور حلال کے مسائل سے متعلق تھے۔ مولوی صاحب نے نہایت ہی حکیمانہ اور مدلل انداز میں میرے شک کو رفع کیا۔ اب قلب وذہن میں صداقت کو سینے سے لگا لینے کا بے پناہ جذبہ ابھر آیا تھا۔ شیفتگی ووارفتگی خود سپردگی میں ڈھلتی جارہی تھی۔ آنکھیں بے یقینی کے اندھیاروں میں یقین وایمان کے انوار کا مشاہدہ کرنے کے لئے بیتاب تھیں۔ میری زبان سے بے ساختہ کلمہ توحید بلند ہوا۔ میں کتنا خوش تھا، الفاظ بیان نہیں کر سکتے اور شدت جذبات کے اظہار میں الفاظ کو ہمیشہ اپنی کوتاہی فن کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔

میں جب امریکہ واپس آ گیا، اس وقت مجھ میں کافی تبدیلی آ چکی تھی۔ میرے والد صاحب نے مجھ سے صرف ایک ہی سوال کیا، کیا تم اب بھی شراب پیتے ہو؟ میں نے کہا نہیں ”شراب تو اسلام میں حرام ہے“ اس پر انہوں نے بے انتہا خوشی کا اظہار کیا اور پھر وہ الفاظ ادا کئے جو مجھے زندگی بھر یاد رہیں گے۔ ”بیٹا! جو مذہب تمہیں شراب پینے سے منع کرتا ہے وہ یقیناً ایک اچھا مذہب ہوگا“۔

وقت گزرتا گیا اور میں نے جلد ہی یہ محسوس کر لیا کہ اس معاشرے میں میرے لئے مسلمان کی حیثیت سے جینا بہت ہی مشکل ہے۔ یار دوست پھبتیاں کستے تھے۔ نئے عہد میں پرانے زمانے کی باتیں کرتے ہو! یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ شراب اور عورت کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے۔ تم تو وحشی بنتے جارہے ہو۔ اپنی جوانی اور حسن کی رعنائیوں پر رحم کرو۔ شروع شروع میں یہ سب کچھ برداشت کرتا ہوا اپنی وضع پر قائم رہا، لیکن ادھر ابھی نئے نقوش تازہ تازہ اور دھیمے تھے اور ادھر گردو پیش کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا۔ میں غیر شعوری طور پر ماحول کے دھارے پر بہنے لگا اور ایک دو سال ہی میں ان تمام آلودگیوں سے دامن تر ہوگیا، جنہیں اسلام کی حرارت نے خشک کیا تھا۔

گناہ کی لذت کوشیوں، جوانی کی سرمستیوں اور لغزشوں کی دلربائیوں نے روح کی تسکین کا سامان بہم پہنچانے کی بجائے اسے مسلسل اضطراب اور پیہم التہاب کا مرکز بنا دیا۔ میں پہروں سوچتا کہ کیا زندگی بے مقصد ہے۔ سکوں کی کھنک، جام کی گردش، نگاروں کی محفل ہی وہ سب کچھ ہے جس کے لئے انسان، یہ وسیع کائنات اور یہ چاند تارے تخلیق کئے گئے ہیں۔ ہر لحظہ میرا اضطراب بڑھتا چلا گیا۔ عموماً آنکھیں اشکبار رہتیں، ذہن کسی فکر میں کھویا رہتا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میں بالکل مایوس ہو گیا۔ سوچا جس زندگی کا مقصد ہی معلوم نہیں، اسے کیوں نہ ختم کر دیا جائے۔ اسی سوچ و بچار کی حالت میں مجھے نیند آ گئی۔ نیند کے عالم میں ایک خواب دیکھا۔ دیکھتا ہوں ایک تنگ و تاریک کمرہ ہے، جس میں پتھر اور کنکریاں بکھری ہوئی ہیں۔ چاروں طرف دیواروں پر جالے لگے تھے۔ تاریکی میں ایک دو قدم چلتا ہوں اور پتھر سے ٹھوکر کھا کر بیٹھ جاتا ہوں۔ مجھ پر جنون کی سی کیفیت طاری ہے۔ روشنی کی تلاش میں اٹھتا ہوں، گرتا ہوں اور گر کر پھر اٹھتا ہوں۔ اتنے میں ایک کونے سے روشنی کی کرن نمودار ہوتی ہے۔ اس طرف لپکتا ہوں۔ ایک تنگ سا دروازہ ہے جس میں روشنی آ رہی ہے۔ مجھے کچھ سکون ملتا ہے۔ اس دروازے کی طرف بڑھتا ہوں۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔

جب جاگا تو اپنے آپ کو حد درجہ مطمئن پایا۔ مجھے پختہ یقین ہو گیا کہ صرف اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو کامیابی اور ابدی سکون کا ضامن ہے گو اس پر چلنا اتنا آسان نہیں اور قدم قدم پر نفس پر پابندیاں اور قیود عائد کرنا پڑتی ہیں، لیکن راستہ صرف یہی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اس واقعے کے بعد سے میں بتدریج اسلام کے قریب آتا جا رہا ہوں''۔

بارکر صاحب کے بیان نے مجھے چونکا دیا۔ اپنے آپ کو ٹٹولنے لگا کہ راہ عشق و عزیمت میں کتنے قدم اٹھائے ہیں، کیا اپنی زندگی بے مقصدیت کی دلدل میں دھنس کر نہیں رہ گئی ہے؟ قرآن کی تلاوت روزانہ کی جاتی ہے لیکن سوز محبت اور احساس عبودیت سے آنسو کا ایک قطرہ بھی آنکھ سے نہیں بہتا، جیسے آنکھوں کے چشمے سوکھ گئے ہوں۔

میں نے بارکر صاحب سے سوال کیا کہ آخر امریکہ میں اسلام کے خلاف نفرت کا اتنا شدید

جذبہ کیوں پایا جاتا ہے؟

وہ کچھ وقفے کے لئے خاموش رہے جیسے اسباب کا کھوج لگا رہے ہوں پھر کہنے لگے، اس کے متعدد اسباب ہیں۔ سب سے بڑی وجہ تو صلیبی جنگیں ہیں۔ عیسائیوں نے ان جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکستوں کے جو زخم کھائے وہ انہیں ابھی تک نہیں بھولے۔ انہوں نے اس کا انتقام اس طرح لیا کہ اسلام کے متعلق گمراہ کن باتیں پھیلائیں اور مسلمانوں کے کردار کو اس انداز میں پیش کیا کہ وہ وحشی درندوں کی مانند ہاتھوں میں تلوار لئے، نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے انسانوں کی بستیوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ قتل عام کرتے ہیں اور عورتوں کو گرفتار کر کے انہیں لونڈیاں بنا لیتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ موجودہ عیسائیت اتنی کھوکھلی اور بے جان ہے کہ کوئی معقول انسان اس مذہب سے وابستگی قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس کے مقابلے میں اسلام کے اندر دماغ کو مسخر کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔ اس خطرے کا سد باب اس طرح کیا گیا کہ اسلام کے صاف و سفید دامن پر بڑے بڑے داغ ڈالے گئے تا کہ اپنے بدنما داغ چھپ جائیں اور عیسائیوں کا ذہین طبقہ اسلام کی طرف راغب نہ ہونے پائے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اسلام کو امریکی مزاج کے مطابق پیش کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر اسلام کو خاص انداز میں اہل امریکہ کے سامنے پیش کیا جائے تو ایک بڑا حلقہ اس کا اس طرح خیر مقدم کرے گا کہ گویا وہ اسی کی تلاش میں برسوں سے سرگرداں تھا۔

''بارکر صاحب! وہ خاص انداز کون سا ہے؟'' میں نے بے قراری کے عالم میں پوچھا۔ انہوں نے کہا ''میں ابھی بتاتا ہوں'' اتنے میں چائے آ گئی۔ چائے کے ساتھ ہی شاعروں کا ذکر چل نکلا۔ قمر میرٹھی صاحب ہمارے پہلو میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنی غزل کے دو شعر سنائے۔

لگ گئی آگ بلا سے جو نشیمن کو مرے
اہل گلشن تو ہوئے برق و شرر سے آگاہ
چھوڑ جاتے جو نہ ہم نقش کف پا اپنے
کوئی ہوتا نہ تری راہ گزر سے آگاہ

""اہل گلشن تو ہوئے برق وشرر سے آگاہ" اس مصرے نے تصورات اور خیالات کی دنیا میں ہلچل مچادی۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو اپنا سب کچھ اس لئے لٹا دیتے ہیں کہ دوسروں کے لئے زیادہ حسین، زیادہ آسان اور زیادہ خوشگوار بن جائے اور ایک ہم ہیں کہ اپنی زندگی رنگین کے لئے دوسروں کی خواہشات اور ارمانوں تک کا خون چوس لیتے ہیں۔ حقیقت ہے بھی کہ جب تک ہزاروں آشیاں بنا کر پھونک نہ ڈالے جائیں، اس وقت تک اہل گلشن کو برق اور سے آگاہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ عشق ومحبت اور دعوت وعزیمت کی راہ کچھ ہے ہی ایسی کہ یہاں کچھ لٹانا ہی ہوتا ہے۔

چائے ختم ہوئی تو میں نے پہلا سوال دہرایا۔ وہ کیا انداز خاص ہے جس میں اسلام کو اہل کے سامنے پیش کیا جائے؟

بار کر صاحب نے جواباً کہا۔ دراصل وہاں کے لوگوں کا مزاج مشرق کے لوگوں سے بہت ہے، وہ کسی شخص کی بات پر یقن لانے سے پہلے اس بات کی تاریخی حیثیت دیکھتے ہیں۔ یہ کہ ہمارے پاس کیا تاریخی ثبوت ہے کہ یہ بات اس شخص نے کہی ہے اس اعتبار سے اس امر شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں نے اسماء الرجال کے سلسلے میں جو بیش بہا اور عدیم المثال تحقیق کیا ہے، اسے انگریزی میں منتقل کیا جائے، اہل مغرب پر یہ بات پورے اہتمام کے ساتھ کردی جائے کہ اسلام کا ذخیرہ علم تاریخی اعتبار سے جتنا مستندا اور یقینی ہے دنیا کے کسی اور کا نہیں۔ روایات، درایت اور جرح وتعدیل کے جو اصول مسلمان محدثین اور فقہاء نے کئے، تاریخ کو محفوظ رکھنے اور اس پر تنقید کرنے کے ان سے زیادہ معقول اور کڑے کوئی اور نہیں ہوسکتے۔

قرآن اور حدیث کی تاریخی حیثیت ثابت کرنے کے بعد دوسرا یہ قدم اٹھایا جائے کہ میں ایسی کتابیں لکھوائی جائیں جن میں حوالہ جات کا خاص اہتمام ہو، یورپ ہو یا امریکہ کے لوگ حوالہ جات سے بہت مرعوب ہوتے ہیں۔ ایک نہایت ہی عمدہ کتاب اگر بغیر کے ہے، تو وہاں اسے کوئی وزن نہیں دیا جائے گا۔ تیسری اہم بات جسے پیش نظر رکھنا

نہایت ہی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کی ان تعلیمات کو زیادہ نمایاں حیثیت دی جائے
تعلق انسان کی معاشرتی، تمدنی اور اخلاقی زندگی سے ہے۔ پاکیزگی، طہارت، صفائی
قرینہ جو رسول خدا ﷺ کی تمدنی زندگی کے نمایاں اوصاف تھے، انہیں وضاحت کے ساتھ
جائے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت مغرب میں اپنی زندگی کے طور و طریق سے عدم
اطمینانی پائی جاتی ہے۔ ایسے وقت اگر مسلمانوں کی طرف سے زندگی کا ایک ایسا واضح نقشہ پیش
جائے، جو طمانیت، سکون و محبت اور معتدل روش اور دنیوی خوشحالی کا ضامن ہو تو یقیناً ادھر
لوگ اس کو خوشی خوشی قبول کریں گے۔ دراصل وہاں کے لوگ ہر چیز کو مادی افادیت کے نقطۂ
سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں، اس لئے اس امر کی بھی خاص طور سے واضح کرنے کی ضرورت
ہے کہ اسلام کا اقتصادی نظام نہ صرف روحانی پاکیزگی اور اخلاقی حس ابھارتا ہے بلکہ معاشرے
خوشحالی اور مادی ترقی کی انتہا سے بھی ہمکنار کرتا ہے۔

میں نے بارکر صاحب پر ایک پرامید نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ ان خطوط پر اسلام
کو پیش کرنے کی کوشش نہیں کر سکتے؟''۔

''کیوں نہیں میری زندگی کا اور مقصد ہی کیا ہے اس سے زیادہ اور میری خوش نصیبی کیا ہو
ہے کہ میں اسلام کے کسی کام آسکوں'' یہ تھے بارکر صاحب کے الفاظ جنہوں نے میرے جسم
خوشی کی لہر دوڑادی وہ کہے چلے جارہے تھے۔

''میں نے اس سلسلے میں ایک پروگرام بھی وضع کرلیا ہے۔ میں اہم موضوعات پر پاک و ہند
کے علماء سے مضامین لکھوانا چاہتا ہوں۔ میں نے ممتاز علماء سے مضامین لکھنے کی درخواست
ہے، کچھ علماء تعاون کا ہاتھ بڑھانے میں فراخدلی کا ثبوت نہیں دے رہے۔ شاید ان کی عدیم
الفرصتی اس کا سبب ہو۔ میری خواہش یہ ہے کہ ایک اسلامک ریڈر تیار کیا جائے۔ اردو
انگریزی دونوں میں۔ اردو کے اسلامک ریڈر کے ذریعے پاکستان میں تعلیم بالغاں کے اصول
پر یہاں کے لوگوں میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کو پھیلایا جائے اور انگریزی زبان کے ذریعے
سے مغربی دنیا کو اسلام سے روشناس کرایا جائے، یہ کام اتنا آسان نہیں لیکن اس شعر کے مصداق

منزل تو تھی ہی پیش نظر راہ شوق میں
کچھ پیچ و خم بھی ذوق سفر بخشتے رہے

راستے کی صعوبتیں ذوق سفر کو نکھارتی ہی جائیں گی۔"

"اپنے سینے میں کتنے صحت مند جذبات لئے ہوئے ہے یہ شخص" میں نے اپنے آپ سے کہا۔ کاش ہم ان ذمہ داریوں کو پہچان لیں جو شہادت حق کا فریضہ ہم پر عائد کرتا ہے۔ ہم اپنی تمام صلاحیتوں، قابلیتوں اور مال و متاع کو اشاعت اسلام کے مقدس مشن میں کیوں نہ لگا دیں۔ عیسائی مشنریاں ہمارے ملک میں آ کر اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہی ہیں اور ہم ردعمل کے طور پر حرف شکایت زبان پر لے آتے ہیں لیکن شاید ہم یہ نہیں جانتے کہ شکایت وہ لوگ کیا کرتے ہیں جو کم ہمت اور بے عمل ہوتے ہیں ہمارے اپنے ملک میں عیسائیت تیزی سے پھیل رہی ہے اور ہم صرف تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ کاش! ہمارے دماغوں میں یہ سودا سما جائے کہ ہم نے خدا کا پیغام دنیا کے آخری کونے میں پہنچانا ہے، اسلام ایسے دیوانوں کا منتظر ہے۔

میں نے آخری سوال کیا۔ "امریکہ میں جو مسلمان رہتے ہیں وہ اسلام کی اشاعت کے لئے کیا کچھ کر رہے ہیں؟"۔

بارکر صاحب نے کہا کہ "کچھ حلقے اچھے خاصے مستعد نظر آتے ہیں، لیکن سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ وہاں کے مسلمانوں میں عجیب عجیب فرقے پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہاں مسلمانوں کا ایک ایسا فرقہ بھی ہے جس نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ خدا کالے رنگ کا ہے، اس فرقے کے عقائد حبشیوں میں بڑی تیزی سے مقبولیت حاصل کر رہے ہیں" ڈیڑھ بجنے والا تھا۔ میں نے بارکر صاحب سے رخصت ہونے کے لئے اجازت چاہی۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے مصافحہ کیا، ان کے ہاتھوں کی گرمی اور چہرے کی شگفتگی آج بھی محسوس کر رہا ہوں۔

دہشت گرد کون؟

(طارق

مقبوضہ عراق کے شہر سمارا میں قابض امریکی فوج نے 54 حریت پسند اور عام شہری شہ
دیئے۔ ہمیں دنیا کی مصلحت کوشی پر حیرت ہوتی ہے کہ تمام میڈیا اس بربریت پر خاموش
جب افغانستان میں روسی استعمار اور جارحیت کے خلاف امریکی مفادات کی جنگ کو جہاد کا
گیا تو سی آئی اے دنیا بھر سے قربانی کے بکرے بھرتی کر کے انہیں جنت کا ون وے ٹکٹ
رہی تھی۔ پاکباز ماؤں نے اپنے صالح بیٹوں کا ماتھا چوم کر انہیں اسلام اور شہادت کے
رخصت کیا۔ یہ سب کچھ امریکہ کے ایماء پر سعودی عرب، یمن، سوڈان، شام، الجزائر
صومالیہ حتیٰ کہ پاکستان میں بھی ہو رہا تھا۔ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں وہ مدارس جہاں
تھے کہ بچے صرف زور زور سے ہل ہل کر اور چلا چلا کر قرآن پاک پڑھتے ہیں، وہ دراصل
بچے نہیں، افغان جنگ کے لئے جہاد کے نام پر خام مال بلکہ روبوٹ تھے۔

مساجد یا رہائشی مدارس میں چندوں اور اہل محلّہ کی روٹیوں پر پلنے والی یہ خاک نشین
جنرل ضیاء الحق سے جنرل مشرف تک کسی کو بھی خطرناک دکھائی نہ دی کیونکہ یہ تو کسی اور
ایجنڈے کی تکمیل کے لئے جوان ہوتے ہی جان دے دیتے تھے۔ اب بڑے آقا کے ایک ا
ابرو پر وہی بے ضرر طلبہ واجب القتل ٹھہرے۔ یہ نوجوان تب بھی مجاہد تھے اور آج بھی مجاہد
اور اب اس کیڑے کا ان معصوم دماغوں سے نکالنا مشکل ہے کیونکہ جہاد ہی کے نام پر ان کی
واشنگ ہوئی اور سی آئی اے نے انکے ذہنوں میں جہادی بیج بویا۔ اب دنیا کے کسی بھی حصہ
کارروائی موساد کرتی ہے اور ملعون یہ ٹھہرائے جاتے ہیں۔

اب مغربی میڈیا نے عراق میں مجاہدین کا چولا بدل کر انہیں فدائین کا نام دے دیا ہے
ہوا میرے آقا! افغانستان میں روسی استعمار کے خلاف مرنے والے جب اپنے ہی ملک پر
کی گئی غیر قانونی جنگ میں حملہ آوروں کے خلاف نبرد آزما ہیں تو وہ مجاہدین کے اعزاز سے
کیوں؟ اب آپ نے انہیں دہشت گرد، شدت پسند، جنگجو، فدائین اور ایسے ہی نام دے
ہیں تو آپ کے زیر اثر ساری دنیا کے میڈیا کی زبان اور قلم میں بھی کیڑے پڑ گئے ہیں۔

اگر عراقی عوام کی جدوجہد آزادی دہشت گردی ہے تو 1899ء سے 1902ء تک آ
نے جو فلپائن میں قتل عام کیا، اسے کیا کہیں گے؟ 1945ء سے 1974ء تک آپ جو ویت
میں موت کا رقص فرماتے رہے، اسے مائی لائی کی گلیاں اور کھیت جو لاشوں سے اٹے ہوئے

کیسے بھول سکتے ہیں۔ عورتوں اور بچوں کے اس وحشیانہ قتل کو آپ کی فوج نے کیا نام دیا تھا؟ اور 1945ء سے 1973ء تک آپ نے لاؤس میں جو قتل و غارت گری کی، وہاں ہر آٹھ منٹ کے بعد ایک بم گرتا اور یہ سلسلہ نو سال تک جاری رہا، جس میں دو ملین ٹن بارود ان بے زبان ایشیائی عورتوں اور بچوں پر گرایا گیا اور پانچ لاکھ سے زائد بے گناہ مارے گئے، وہ سب کیا تھا؟ اسی دوران آپ نے 285 ملین کلسٹر بم ساؤتھ ایسٹ ایشیا پر گرائے اور یہ دنیا کی تاریخ میں بدترین اور طویل ترین بمباری تھی، کیا آپ لاؤس کو بھی افغانستان اور عراق کی طرح آزادی دلانے گئے تھے؟ 1969ء سے 1973ء کے دوران آپ نے کمبوڈیا میں خمیر روج قاتل گوریلوں سے مل کر 20 سے 25 لاکھ انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ وہ تو آپ کا یقیناً اس گھٹیا مخلوق پر احسان تھا، جسے آپ نے ذلت بھری زندگی سے نجات دلا دی۔ آپ تو نجات دہندہ ہیں، آپ نے تو 1800 سے 1930ء تک ایک سو تیس برس میں میکسیکو کی نصف آبادی کا صفایا کر دیا، مائی باپ آپ کس قدر صفائی پسند ہیں۔

آپ نے 1959ء سے اب تک غریب چھوٹے سے جزیرے کو اپنے بھاری پاؤں تلے دبا رکھا ہے۔ آپ نے 10 مارچ 1959ء میں اپنی نیشنل سیکورٹی کونسل کی میٹنگ میں کیوبا کو بھی انقلاب کے ذریعے آزادی دلانے کا فیصلہ کیا تھا۔ تب سے وہاں حکومت بدلنے کے منصوبے پر کام ہو رہا ہے، جس میں دہشت گردی، بم دھماکے، اقتصادی و فوجی پابندیاں سب شامل ہیں، لیکن آفرین ہے اس بڈھے آئرن مین پر کہ وہ آپ کی گیدڑ بھبکیوں میں نہیں آیا کہ آپ اسے بم مار مار کر پتھر کے زمانے میں پہنچا سکتے تھے۔ حضور آپ نے 1973ء سے 1994ء تک ہیٹی میں ریاستی دہشت گردی کو سپورٹ کیا، اس میں تو سی آئی اے نے منشیات کی تجارت، ٹارچر اور ڈیتھ سکواڈ سب کارروائیوں میں معاونت کی تھی۔ اب خودکش حملوں پر آپ کیوں متفکر ہیں؟

جناب آپ تو بہت مصروف قوم ہیں، کئی کئی محاذوں پر اکٹھا لڑنے کی ہسٹری ٹسٹ رکھتے ہیں۔ آپ 1963ء سے 1966ء تک ڈومینکن ریپبلک میں بھی مصروف رہے کہ جمہوری طور پر منتخب صدر جوآن بوش کو ہٹانے والی ملٹری ڈکٹیٹر شپ کی حمایت کرتے رہے تاکہ وہاں کمیونسٹ برسر اقتدار نہ آ جائیں۔ آپ اسی لئے تو نکاراگوا کے باغیوں کی مدد کرتے چلے آ رہے ہیں، جنہیں وہاں دہشت گردی اور قتل و غارت کے لائسنس آپ نے خود جاری کر رکھے ہیں۔ آپ نے تو 1918ء سے 1920ء کے دوران روسی خانہ جنگی کا بھی فائدہ اٹھا کر وہاں ٹانگ اڑائی تھی۔ جناب آپ ہٹلر کے ہالوکاسٹ کا ذکر کر کے دنیا کو کیا یاد دلاتے ہیں کیا آپ کو

اگست 1945ء یاد ہے، جب آپ نے ہیروشیما اور ناگاساکی میں دولاکھ افراد فوری طور پر
لاکھ بعد میں معذور ہو کر مرتے دیکھے اور جشن مناتے تھے۔ اس بیکار جنگ میں کتنے بے گناہ
پھڑکائے۔ آپ کو تو گنتی بھی یاد نہیں ہوگی۔ پونے سات لاکھ جاپانی، پانچ لاکھ سے زائد جرمن
کئی ہزار فرانسیسی آپ کی بہادری پر نچھاور ہو گئے۔

اگر آپ کو ویت نام کا ''مائی لائی'' یاد نہیں تو کیا 1945ء سے 1953ء تک کے ''نوگن ری'' میں محصور شہریوں کا قتل عام یاد ہے؟ اور 1945ء سے 1948ء کے دوران جنوبی کوریا کی آرمی نے آپ کی رہنمائی میں تین لاکھ بے گناہ شہری محض اس الزام میں مار دیے کہ ان پر صرف سوشلسٹ ہونے کا شبہ تھا کیونکہ اس وقت ابھی مشتبہ طالبان یا مشتبہ القاعدہ کی اصطلاح ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ تھائی لینڈ میں آپ کے 40 ہزار فوجی 1965ء سے 1973ء تک بغاوت کچلنے کے نام پر ظلم ڈھاتے رہے اور آپ بادشاہت کو سپورٹ کرتے رہے۔ بادشاہو آپ کا مزاج تو جمہوری ہے پھر یہ دنیا بھر کے بادشاہوں کو اپنی جھولی میں کیوں لئے پھرتے ہو اسی جمہوریت پسندی کی وجہ سے ہی تو آپ نے ووٹوں سے منتخب ہونے والی اسلام پسند پارٹی کو ترکی میں برسر اقتدار نہیں آنے دیا اور بے رحم فوجی حکومت کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ تب سے آپ وہاں ملٹری رول کے حامی ہیں۔ آپ نے پانامہ میں گوروں سے حکومت چھیننے والے عمر توریجو کا جہاز ویسے ہی کریش کرایا، جیسے جنرل ضیاء کا طیارہ فضاء میں اڑا دیا گیا تھا۔ عمر کے بعد آپ کا پالا چھٹا ہوا بدمعاش جنرل نوریجا برسر اقتدار آ گیا جو ڈاگ لارڈ ہونے کے باوجود سی آئی اے کی پے رول پر تھا۔ پھر آپ اس سے ناراض ہونے کے بعد اسے بھی اٹھوا لائے۔ حضور وقت کم ہے اور آپ کی فتوحات زیادہ، جنہیں گنوانے کے لئے تو پوری کتاب درکار ہوگی۔ آپ کی بہادر نیوی نے ایران کا مسافر بردار طیارہ بھی تو مار گرایا تھا کہ یہ بہادری لاکر بی طیارے سے کم معرکہ تھی ویسے آپ کے گریناڈا، لیبیا، لبنان، سوڈان، صومالیہ، بوسنیا، افغانستان اور اب عراق میں مظالم بھی کم نہیں ہیں۔ آپ آزادی کے نام پر آدھی دنیا کو تاراج کر چکے ہیں۔

آپ کا پاکٹ میڈیا عراقیوں کو شدت پسند کہے، گوریلا لکھے یا فدائین قرار دے، وہ آپ کی مزید مہمان نوازی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ جس طرح بڑے چودھری صاحب عراق سے برقعہ پہن کر راتوں رات دم دبا کر بھاگے ہیں، انہیں دیکھ کر بغداد کا چور بھی آہیں بھرتا ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ آپ اپنے بچے کھچے فوجیوں کی جان بھی اسی طرح بچا کر نکل جائیں۔ آخر آپ کے فوجی بھی آپ ہی جیسے انسان ہیں۔ ویسے جاتے جاتے یہ ضرور ارشاد فرمایئے کہ ''دہشت گرد کون ہے؟''

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار رہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بےبس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش وخروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بےدردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف

تعمیرِ ملت

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے

چراغِ راہ

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے انمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گی۔
سلوک و تصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کا
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔
اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیے ہیں
کہ ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر

کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت الشہود
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی